ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

مئی ۲۰۱۰ء

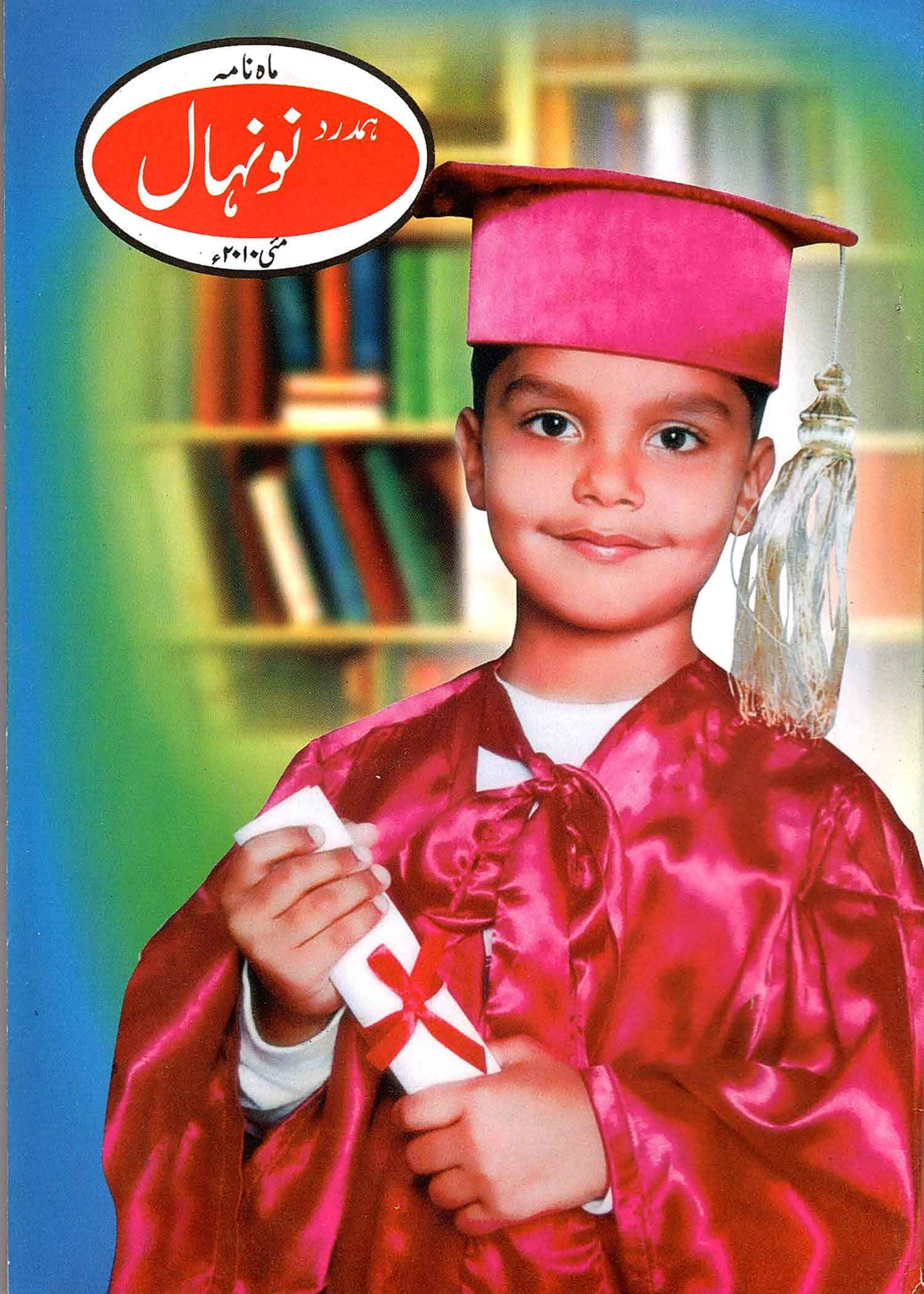

A touch of garlic
like never before!
Young's
FRENCH
Mayo
Garlic
مایو ثوم
صرف =/10 روپے میں
30ml
For one time use only.
Young's
FRENCH
Mayo
Garlic
مایو ثوم
200ml
پیش ہے آپ کا پسندیدہ ینگز مایونیز اب Garlic کے ذائقے میں۔
بار۔بی۔کیو، پراٹھا رول اور تمام فرائیڈ کھانوں کے ساتھ...
لگاتے جائیں...
اور کھاتے جائیں
Young's
SPREAD HEALTH. SPREAD LIFE.

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

اشاعت کا ۵۸ واں سال

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

جلد ۵۸ | شمارہ ۵

مئی ۲۰۱۰ عیسوی | جمادی الاول - جمادی الثانی ۱۴۳۱ ہجری

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

قیمت عام شمارہ ۲۵ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۲۶۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۲۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۴۰- امریکی ڈالر

ٹیلے فون — 36620945 سے 36620949

ایکسٹینشن — (054 یا 052 یا 066)

ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755

ای میل — hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ ادارۂ سعید — www.hakimsaid.info

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن نے عظیم نونہالان پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر | سید سفیان علی، آسٹریلیا

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	۴	شہید حکیم محمد سعید
پہلی بات	۵	مسعود احمد برکاتی
نعت شریف	۶	حکیم خان حکیم
اوسان	۷	مولوی عبداللہ خاں
بیت بازی	۹	خوش ذوق نونہال

۱۱
پریوں کے بال
بابائے اردو مولوی عبدالحق
ایک نواب صاحب کے بھولپن کا مزے دار قصہ سناتے ہیں

۴۰
میں تمھارا دانت ہوں
شہید حکیم محمد سعید
آپ کے دانت آپ کی کیا خدمت کرتے ہیں؟
حیرت انگیز معلوماتی سلسلہ

نونہال خبر نامہ	۱۰	ننھے نامہ نگار
روشن خیالات	۱۴	ننھے گل چیں
علم دریچے	۳۱	نکتہ داں نونہال
کبھی چلتی ہوں (نظم)	۳۶	حافظ مظفر محسن

۱۵
چاندی کی آواز
ابرار محسن
چین کے ایک ظالم بادشاہ نے اپنی آٹھویں بیٹی کو جنگل میں کیوں پھکوا دیا تھا؟

کیا میں آپ کی چہیتی ہوں؟	۳۷	مسعود احمد برکاتی
فقیر کی صدا (نظم)	۵۴	شریف احمد شریف
ٹاٹ کی چادر	۶۰	پروفیسر محمد ظریف خاں
رنگ برنگے پرندے	۶۴	نسرین شاہین
کالا گورا	۶۹	نیا گل

معلومات پاکستان ۷۵ سعید عبدالخالق بھٹہ

معلومات افزا-۱۷۳ ۷۸ سلیم فرخی

ہنسی گھر ۸۱ ننھے مزاح نگار

ہنڈ کلیا ۸۴ ذائقہ پسند نونہال

روشن راستہ ۸۵ راشد علی نواب شاہی

۲۱

ایک اور احسان

حسن ذکی کاظمی

ایک ایسے شخص کا آخری خطاب
جس کی زندگی کے دو تین دن باقی تھے

۴۵

گوما اور گورا

مناظر صدیقی

گورے کو گوما سے شدید اختلاف تھا،
پھر یہ اختلاف کیسے ختم ہوا؟

ہمدرد نونہال اسمبلی ۸۹ حیات محمد بھٹی - سید علی بخاری

آیئے مصوری سیکھیں ۹۳ غزالہ امام

تصویر خانہ ۹۴ ادارہ

نونہال مصور ۹۵ ننھے آرٹسٹ

مسکراتی لکیریں ۹۶ ادارہ

نونہال ادیب ۹۷ ننھے لکھنے والے

آدھی ملاقات ۱۰۷ نونہال پڑھنے والے

جوابات معلومات افزا-۱۷۱ ۱۱۲ ادارہ

انعامات بلاعنوان انعامی کہانی ۱۱۶ ادارہ

نونہال لغت ۱۲۰ ادارہ

۵۵

بلاعنوان انعامی کہانی

رئیس فاطمہ

اس سبق آموز کہانی کا عنوان لکھ کر
ایک خوب صورت کتاب انعام پایئے

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید
کی یاد رہنے والی باتیں

دنیا کا کوئی کام، کوئی پیشہ، کمانے کا کوئی طریقہ بُرا نہیں۔ رزق حاصل کرنے کے لیے کسی کام سے بھی شرمانا نہیں چاہیے۔ صرف بُرے اور ناجائز کاموں سے شرمانا چاہیے۔ کسی کو دھوکا دے کر پیسے لینا، کوئی خراب چیز بیچنا، چوری کرنا، لڑ جھگڑ کر زبردستی کوئی چیز ہتھیانا، یہ ایسی باتیں باتیں ہیں جن سے آدمی کو شرم آنی چاہیے، لیکن رزقِ حلال کے لیے آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی کرے تو اس میں شرم کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ فخر کی بات ہے۔

دنیا کی تاریخ پڑھو۔ جتنے بھی بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، انھوں نے بچپن ہی سے محنت کی ہے۔ جو لوگ غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے، انھوں نے زندہ رہنے اور اعلا تعلیم کا خرچ نکالنے کے لیے معمولی معمولی کام کیے اور رات دن محنت کر کے علم اور کمال حاصل کیا۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ سب سے بڑے انسان اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ حلال کے لیے ہر کام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ خود آپؐ نے اپنی ابتدائی زندگی میں تجارت کی، بکریاں تک چرائیں اور آپؐ بعد میں اس کا ذکر بڑے فخر سے فرمایا کرتے تھے۔

یاد رکھو! آدمی چھوٹے سے ہی بڑا ہوتا ہے۔ پہلے چھوٹی جماعت میں داخل ہوتا ہے، پھر بڑی جماعتوں میں آتا ہے، پھر اور آگے بڑھتا ہے اور اعلا تعلیم حاصل کرتا ہے اور عزت اور دولت دونوں حاصل کرتا ہے۔ اعلا تعلیم حاصل ہو جانے کے باوجود اس کو شروع میں مشکلات پیش آتی ہیں اور وہ معمولی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کرتا ہے، پھر اپنی صلاحیت، محنت اور دیانت سے بڑے مرتبے پر پہنچتا ہے۔ محنت ہی انسان کو بلندی پر پہنچاتی ہے۔

(ہمدرد نونہال دسمبر ۱۹۹۲ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

اپنوں کی بات دل لگا کر سننا بھی ان کو پیار دینے کے برابر ہے۔

مئی کا آن پہنچا ہے مہینا - بہا ایڑی سے چوٹی تک پسینا

مئی کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مئی کی گرمی سے پسینا آ رہا ہے اور ہمیں تو یوں بھی پسینا زیادہ آ رہا ہے کہ اس شمارے کے بعد خاص نمبر ''بنانا'' ہے۔ خاص نمبر کا نونہالوں کو بے چینی سے انتظار رہتا ہے، مگر جیسے جیسے وقت قریب آتا جاتا ہے، ہمارے دماغ پر فکر سوار ہوتی جاتی ہے، مگر دماغ پر فکر کے ساتھ دل میں جوش بھی بڑھ جاتا ہے۔ جوش اور جذبہ ہی انسان سے کام کراتا ہے۔ جذبہ ہو تو انسان ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے، جس سے کام یابی اور ترقی کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

ہر بار کی طرح اس بار بھی ہماری چاہت ہے کہ خاص نمبر میں عمدہ عمدہ، پیاری پیاری، نئی نئی باتیں اور تحریریں ہوں۔ نونہال دعا کریں اور مجھے مشورے دیں کہ خاص نمبر میں کیا کیا شامل کروں۔ وقت کم ہے، اس لیے جلدی سے خط لکھیں اور مشورے اور چاہتیں لکھ کر خط بھجوا دیں۔

خط کے اوپر خاص نمبر لکھ دیں۔

نونہالو! اگرچہ وقت کم، بہت کم رہ گیا ہے، لیکن اگر آپ کے خطوط ہمیں جلد مل گئے تو ہم ان سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ ویسے آپ کے خیالات اور خواہشیں بڑی حد تک ہمیں معلوم بھی ہیں اور ہم انھی کے مطابق کوشش کر رہے ہیں۔ خاص نمبر ان شاء اللہ خاص نمبر ہی ہوگا۔

ہاں خاص نمبر کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایک مختصر، لیکن دل چسپ کتاب کا تحفہ بھی ہوگا، جس میں جناب اشرف صبوحی کی مزے دار کہانیاں ہوں گی۔

بعض نونہال ''ای میل'' کے ذریعے سے خط اور تصویریں بھیجتے ہیں۔ ہمیں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ خط، تحریریں اور تصویریں مہربانی کر کے ڈاک ہی سے بھیجا کریں۔ ☆

نعتِ شریف

حکیم خان حکیم

دیر کا نہ حرم کا طالب ہوں
انؐ کی نظرِ کرم کا طالب ہوں

نعت لکھے جو آپؐ کی ہر دم
ایک ایسے قلم کا طالب ہوں

جس نے بدلا نصیب دنیا کا
انؐ کے دستِ کرم کا طالب ہوں

ساتھ چھوٹے نہ عمر بھر انؐ کا
تیری وفا کے بھرم کا طالب ہوں

یاد میں ان کی جو رہے پُرنم
ایسی چشمِ الم کا طالب ہوں

دور رکھنا مجھے جہنم سے
میرے آقا! اِرم کا طالب ہوں

میں ہوں کیا ، بندگی ہے کیا میری
انؐ کے نقشِ قدم کا طالب ہوں

اوسان

مولوی محمد عبداللہ خاں

خداے تعالیٰ نے انسان کو بہت سی صفتیں عطا کی ہیں، جو اس کے لیے نہایت کار آمد ہیں۔ بہادری، حلم، ہمدردی، سخاوت اور اسی طرح کی بہت سی صفتیں ہیں، جو انسان کو اوروں کی نگاہ میں معزز بنا دیتی ہیں اور خود اس کی ذات کو بھی فائدہ بخشتی ہیں۔ ایک صفت ایسی ہے، جس کی ضرورت کبھی کبھی پڑتی ہے، لیکن ہے بڑے کام کی۔ یہ صفت مصیبت کے وقت آدمی کے اوسان بجا رکھنے کی ہے۔ دنیا میں بعض موقعے ایسے پیش آتے ہیں کہ آدمی کی عقل چکرا جاتی ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ ایسے موقعوں پر اوسان بجا رہنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے مگر ذرا بھی اوسان خطا ہو جائیں تو کام بگڑ جاتا ہے۔

امیر تیمور دنیا میں بہت بڑا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ ملک ترکستان میں ایک قلعے کو فتح کرنے چلا۔ جب موقعے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ قلعے کے چاروں طرف بہت گہری خندق کھدی ہوئی ہے اور جو لوگ قلعے میں گھرے ہوئے ہیں، ان کی تعداد بھی کئی ہزار ہے۔ اگر باقاعدہ طور پر ان سے فوج لڑائی جائے تو خدا جانے کب فتح نصیب ہو۔ امیر تیمور رات کے وقت ایک تختے پر سے خندق پار کر گیا اور قلعے کی دیوار پر سیڑھی لگا کر دو تین سو ساتھیوں سمیت قلعے میں داخل ہو گیا۔ دشمن بے خبر پڑے سو رہے تھے کہ امیر نے بگل بجا کر سوتوں ہی کو مارنا شروع کیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر قلعے والوں کے اوسان جاتے رہے اور سمجھے کہ خدا معلوم کس قدر فوج ہم پر آ پڑی ہے۔ سب کے سب قلعہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ امیر کو آسانی سے قلعہ ہاتھ آ گیا۔ اگر قلعے والوں کے اوسان بجا رہتے تو وہ امیر تیمور کے تھوڑے سے آمیوں کو، جو قلعے میں داخل ہوئے تھے، پل کے پل میں قتل کر ڈالتے یا زندہ پکڑ لیتے، مگر بگل کی آواز سنتے ہی ان لوگوں کے

ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کچھ تو وہیں مارے گئے اور کچھ بھاگ نکلے۔

ایک مرتبہ اکبر بادشاہ نے اپنے ایک سردار سے پوچھا کہ مصیبت کے وقت کون سی چیز کام آتی ہے؟

اس نے کہا: ''جہاں پناہ! اوسان۔''

بادشاہ نے تجربہ کرنے کے لیے ایک دن اس سردار پر ایک مست ہاتھی چھڑوا دیا۔ سردار بے خبر بیٹھا تھا اور کچھ ہتھیار بھی پاس نہ تھا، مگر وہ بالکل نہ گھبرایا۔ دیکھا کہ پاس ہی ایک کتا بیٹھا ہے۔ جھٹ اس کی ٹانگ پکڑ کر ایسا گھما کر ہاتھی کی پیشانی پر مارا کہ ہاتھی ڈر کر بھاگ گیا۔ بادشاہ کو سردار کی بات کا یقین ہو گیا اور اس کو بہت انعام دے کر خوش کر دیا۔

بعض طالب علموں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جہاں اُستاد نے ان سے کوئی سوال پوچھا نہیں اور ان کے ہوش و حواس باختہ ہوئے نہیں۔ سوال کچھ ہوتا ہے، جواب کچھ دیتے ہیں۔ اس قدر گھبرا جاتے ہیں کہ ان کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ اُستاد کیا پوچھتا ہے اور ہم کیا کہتے ہیں۔ جو بات آتی ہے، وہ بھی زبان سے نہیں نکلتی۔ ایسے طالب علم اگر اپنی طبیعت پر تھوڑا سا بھی قابو پیدا کریں تو بہت معقول جواب دے سکیں۔ ☆

خاص نمبر کے ساتھ خاص تحفہ بھی

خوش ہو جائیے۔ خاص نمبر میں اچھی اچھی کہانیاں، معلوماتی تحریریں، اسلامی، تاریخی، سائنسی مضامین، خوب صورت نظمیں اور بہت سے لطیفوں کے علاوہ تحفے میں ایک خوب صورت کتاب بھی ہوگی۔

☆ دل چسپ، مزے دار کہانیوں کی کتاب

☆ قیمت زیادہ نہیں بلکہ بہت کم، یعنی صرف چالیس روپے۔

بیت بازی

بلندی چاہیے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
کوئی ہو بھیس لیکن شانِ سلطانی نہیں جاتی

شاعر: جگر مراد آبادی پسند: محمد سلیمان بشیر احمد، کراچی

حاصل کرو علم ، طبع کو تیز کرو
باتیں جو ہیں بُری ، ان سے پرہیز کرو

شاعرہ: اکبر الہ آبادی پسند: عروبہ انجم، کراچی

رہ گئی رسمِ اذاں ، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقینِ غزالی نہ رہی

شاعر: علامہ اقبال پسند: سکینہ محمد لطیف کمبوہ، حیدر آباد

کون روتا ہے کسی اور کی خاطر اے دوست!
سب کو اپنی ہی کسی بات پہ رونا آیا

شاعر: ساحر لدھیانوی پسند: ردا نور، سانگھڑ

کہیں وفا سرِ بازار بک نہ جائے ندیم
کہ اب تو لوگ محبت بھی بے سبب نہیں کرتے

شاعر: احمد ندیم قاسمی پسند: زلیخا بانو کھتری اناری والے، نیو کراچی

اور سب بھول گئے حرفِ صداقت لکھنا
رہ گیا کام ہمارا ہی بغاوت لکھنا

شاعر: حبیب جالب پسند: محمد اویس دانش، نواب شاہ

میں خون دیکھ کے آیا ہوں شاہراہوں پر
مجھے یقین دلاؤ بہار آئی ہے

شاعر: محسن احسان پسند: محمد یاسین، کراچی

کسی غریب کا گھر جن سے جگمگا اُٹھتا
جلا کے ہم وہ دیے مقبروں میں رکھتے ہیں

شاعر: قتیل شفائی پسند: نبیلہ شیخ، اسلام آباد

محنت سے جو پیار کرے، وہ سب سے بڑا انسان
محنت زندہ قوموں کی ہے عظمت کی پہچان

شاعر: ساقی جاوید پسند: کرن شبیر، کراچی

ہوا کے شور میں برگ و شجر یہ کہتے ہیں
یہی خزاں کبھی قرضِ چمن اُتارے گی

شاعر: خواجہ رضی حیدر پسند: قمر ناز دہلوی، کراچی

اگرچہ کارِ حکومت تھا چند ہاتھوں میں
تمام خلقِ خدا پر وبال سا آیا

شاعر: شوکت کاظمی پسند: تطہیر زہرا، اسلام آباد

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

شاعر: محسن نقوی پسند: محمد شاہد کھتری اناری والے، نیو کراچی

جہاں رہے گا ، وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

شاعر: وسیم بریلوی پسند: ارمغان الرحمان، لاہور

سچے لفظوں کی کرامت ہے یہی
جا کے وہ دل پہ اثر کرتے ہیں

شاعر: سہیل غازی پوری پسند: ویدا ریاض فاطمی، کراچی

نونہال خبر نامہ

بھاری بستے .... نادیہ وسیم، کراچی

اسکول جانے والے چھوٹے بچوں پر ہونے والی ایک جدید طبی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ کم عمری میں کندھوں پر کتابوں کے بھاری بستے ننھے طالب علموں کو کمر کے درد اور عضلات کی کم زوری کا شکار کر دیتے ہیں۔ اس تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کے بستے غیر محفوظ اور حد سے زیادہ وزنی ہوتے ہیں۔ ان کی تیاری میں یہ خیال نہیں رکھا جاتا کہ بستوں کو کندھوں پر لٹکانے والی ڈوریاں جسم کے کس حصے پر بوجھ ڈالتی ہیں اور کس پر نہیں، جس کی وجہ سے بچوں کے جسم مختلف نوعیت کے دردوں اور بے چینی کی وجہ سے سوجن کا شکار ہو جاتے ہیں اور سب سے زیادہ اثر ان کی نازک ریڑھ کی ہڈی پر پڑتا ہے۔

غصے پر قابو رکھنے والے طویل عمر پاتے ہیں .... مریم ظفر، کراچی

غصے پر قابو، جذبات کو کنٹرول اور عام زندگی میں متحرک رہنے والے افراد طویل عمر گزارتے ہیں، جب کہ خوف، ڈر، غصے اور منفی سوچ کے شکار افراد کی زندگی کم ہوتی ہے۔ تحقیقی رپورٹ کے مطابق جذبات میں ٹھیراؤ، نرمی، صلح اور مثبت طرزِ زندگی صحت کے لاحق خطرات کو کم کر دیتا ہے اور اس سے زندگی میں سکون و آرام کے لمحات بڑھ جاتے ہیں۔ امریکا میں ہونے والی اس تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ مثبت سوچ اور طرزِ زندگی بیماریوں سے محفوظ رکھنے میں قدرتی طور پر قوتِ مدافعت فراہم کرتی ہے۔

دل سے ۲۳ سال بعد سوئیاں برآمد .... نازیہ زبیر، نارتھ کراچی

چین کے صوبے ''ہین'' میں ڈاکٹر عورت کے دل میں چھپی سوئیاں نکالنے میں کام یاب ہو گئے۔ ۴۴ سالہ ژیانگ کے دل میں ۲۳ سال قبل ۳ سوئیاں پیوست ہوئی تھیں، جس کا خود اسے بھی علم نہیں تھا۔ ژیانگ کے دل میں موجود ۴ سینٹی میٹر لمبی ان سوئیوں کی نشان دہی ڈاکٹروں نے گزشتہ مہینے ایک طبی معائنے کے دوران کی تھی۔ ژیانگ کا کہنا ہے کہ مجھے تکلیف تو ہوتی تھی، لیکن کبھی ایسا نہیں لگا کہ دل میں کچھ چبھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اور خود مریضہ بھی حیران ہے کہ اس کے دل میں سوئیاں کہاں سے آئیں۔ ☆

پریوں کے بال

بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ایک یادگار تحریر

گرامی مرحوم فارسی کے شاعر تھے۔ ان کا صرف یہی ایک شوق تھا اور اس شوق کو خوب نبھایا۔ باقی دنیا کے حالات سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ دل کے بڑے صاف تھے۔ جو دل میں تھا، وہی زبان پر۔ کسی قدر اکھڑ ضرور تھے۔ باتیں اس طرح کرتے تھے جیسے کوئی لڑتا ہو۔ جب وہ حیدرآباد میں تھے تو ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی۔ شعروسخن کے سوا شاید ہی کوئی اور بات ہوتی ہو۔

ایک دن جو ان کے ہاں گیا تو ایک نئے شخص کو دیکھا۔ رنگ صاف، داڑھی کھچڑی گھنی، بدن بھرا بھرا۔ چارپائی پر بیٹھے حُقہ پی رہے تھے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ سوداگر ہیں اور کشمیری صنعت کے نادر تحفے اور کچھ سامان لائے ہیں۔ میں ان سے باتیں کرنے لگا۔ لہجے سے پنجابی معلوم ہوتے تھے۔ جہاں دیدہ اور ہوشیار آدمی تھے۔ ہندستان کا شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو، جہاں ان کا پھیرا نہ ہوا ہو۔ ان شہروں کے اکثر مشہور لوگوں سے بھی تھوڑے بہت واقف تھے، اگرچہ وہ ان کا ذکر اس بے تکلفی سے کرتے، گویا وہ ان کے لنگوٹیا یار ہیں۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ اگر زحمت نہ ہو تو میں بھی وہ سوغاتیں دیکھنا چاہتا ہوں، جو آپ کشمیر سے لائے ہیں۔ وہ خوشی خوشی مجھے اندر کمرے میں لے گئے اور ایک ایک چیز صندوقوں میں سے نکال کر دکھانے لگے۔ جامہ وار شالیں، پشمینے کے کپڑے، چاندی کا کام، اخروٹ کی لکڑی کی مختلف چیزیں، غرض ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ کشمیر کی یہ بے مثل صنعتیں اور ان کی نزاکت و نفاست حیرت انگیز تھی۔ جامہ وار کے تھان دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا، گویا چمن کھلا ہوا ہے۔ یہی حال چاندی اور لکڑی کے کام کا تھا۔ ہر چیز میں صناعی کا کمال نظر آتا تھا۔ یہ ان غریب اور پامال کشمیریوں کی صناعی تھی، جن کی دن رات کام کرتے کرتے انگلیاں ٹیڑھی، سر گنجے، پیٹھ خم اور آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اس کے صلے میں انھیں چند آنے روز سے زیادہ نہیں ملتے۔ ان کے کمال کی

سب تعریف کرتے ہیں، لیکن غریب کمال والوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ البتہ ان کے جھوٹ، جہالت اور گندگی کی سب مذمت کرتے ہیں۔ میں یہ سب چیزیں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ سوداگر نے کہا: ''آپ ان چیزوں کو دیکھ کر کیا حیرت کر رہے ہیں؟ میں ایک واقعہ سناتا ہوں، جو سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔''

کہنے لگا: ''پرسوں یہ سب سامان لے کر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ تو ان کو جانتے ہی ہیں۔ گاؤ تکیے پر اوندھے اس طرح پڑے تھے جیسے کچھ ان کی پیٹھ پر ایک عجیب قسم کا کوہان سا ہے، اس لیے وہ اس طرح اوندھے پڑے پڑے کام کرتے ہیں۔ آدمی بڑے نیک اور شریف ہیں۔ غرض میں نے ایک ایک چیز دکھانی شروع کی۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میرے پاس زعفران بھی ہے۔ وہ بھی میں نے پیش کیا، پوچھنے لگے: ''یہ تم کہاں سے لائے ہو؟'' میں نے عرض کی کہ یہ کشمیر ہی کا تحفہ ہے۔ فرمایا: ''تم نے یہ کیوں کر بہم پہنچائی اور کس مقام سے ملی ہے؟'' میں نے کہا: ''کشمیر میں زمین کے بعض خاص قطعے ہیں، وہاں یہ بوئی جاتی ہے۔ جب اس میں پھول آتا ہے تو اس کا سماں قابلِ دید ہوتا ہے۔'' یہ سن کر بڑے تعجب سے پوچھنے لگے: ''کیا سچ مچ اس کا کھیت ہوتا ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں، اس کا کھیت ہوتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ خاص خاص زمینوں میں اس کا پودا پھولتا ہے۔ ہر زمین میں لگانے سے نہیں ہوتا۔'' کہنے لگے: ''کیا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا سنی سنائی بات ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''حضور! میں نے خود اس کے کھیت دیکھے ہیں اور یہ زعفران وہیں کے پھول ہیں۔'' فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو؟ میں نے کہا: ''میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں۔'' یہ سن کر وہ اُٹھے اور اندر سے قرآن شریف لے آئے اور میرے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ قرآن کی قسم کھا کر سچ سچ کہو کہ حقیقت میں زعفران کا کھیت ہوتا ہے اور تم نے خود دیکھا ہے۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ درحقیقت زعفران کا کھیت ہوتا ہے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہنے لگے: ''عجیب بات ہے۔ مجھ سے بڑے وثوق سے یہ کہا گیا تھا کہ کشمیر میں ایک بہت بڑا حوض ہے، جسے حوضِ سلیمانی کہتے ہیں۔ رات کو پریاں اس میں نہانے آتی ہیں۔ ان کے بدن کے جو بال اس میں گر جاتے ہیں، وہ صبح کو لوگ جا کر سمیٹ لاتے ہیں۔ یہی بال زعفران ہیں۔ مجھے پیر دستگیر عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے خاص ارادت ہے۔ ہر سال ان کی گیارھویں بڑے اعتقاد اور اہتمام

سے کرتا ہوں۔ پلاؤ اور زردے میں زعفران پڑتا تھا۔ جب میں نے یہ قصہ سنا تو ناپاک سمجھ کر زعفران ڈالنا موقوف کر دیا تھا۔ آج تم سے اصل حقیقت معلوم ہوئی۔ لاحولِ ولا قوۃ اِلّا باللہ!''

کیسے بھولے لوگ تھے اور ان کے ہاتھوں میں لاکھوں بندگانِ خدا کی قسمت تھی! ☆

اس تحریر کے مشکل الفاظ کے معنی

صنعت	(صَ نْ عَ ت)	کاری گری۔ ہنر۔ دست کاری۔
صناع	(صَ نْ نَ ا ع)	بہت بڑا کاری گر۔ نہایت ہنر مند۔
خم	(خَ م)	ٹیڑھ۔ کجی۔ ترچھا پن۔ جھکاؤ۔
جامہ وار	(جا مَہ وَا ر)	ایک قسم کی اونی پھول دار چادر۔
پشمینہ	(پَ شْ مِی نَہ)	اونی کپڑے جیسے شال وغیرہ۔

اشاعت سے معذرت

☆ **کراچی:** کلامِ عظیم میں جدید علم کی ترغیب، سرائے، برسات کا موسم، سرما کے فوائد، خالہ نصیبن، یادگار اپریل، سونے کی تلاش، ابوتمام الطائی، حشر کی تیاری ☆ **نظمیں:** ماں کی دعا، بندر کو نزلہ بخار ہوا، رنگ برنگ، رنگوں کی دنیا، قرآن کی فریاد ☆ **حیدرآباد:** جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، نونہال کو خط، اللہ کا انصاف، ہدایت کا سرچشمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اپریل فول میری نظر میں ☆ **میر پور خاص:** گپو خان (نظم) ☆ **جھڈو:** برسات (نظم) ایک غریب بچہ، محنت کا پھل ☆ **ٹنڈو جان محمد:** عملی جامہ، سلطان کی عقل مندی ☆ **سانگھڑ:** ہیرے اور موتی ☆ **میر محمد جونو:** ماں کی عظمت ☆ **دوڑ:** میرا پیغام ☆ **لاہور:** نیکی کے پھول، الف سے اللہ ☆ **حویلی لکھا:** کون، حق بات ☆ **گوجرہ:** لالچ کی سزا ☆ **واہ:** خدا کی کروں میں کیا عظمت بیاں (حمد) ☆ **اسلام آباد:** سرو (نظم) ☆ **راولپنڈی:** وقت، خواب یا حقیقت، تو کیا یہ فضول خرچی ہے؟ تاریخ ضلع چکوال ☆ **جہلم:** دوست عیب نہیں دکھاتے ☆ **جھنگ:** غذائی علاج (نظم) ☆ **جنڈانوالہ:** ابنِ مریم ہوا کرے کوئی (غزل، مرزا غالبؔ) ☆ **بہاول نگر:** لالچ بری بلا ہے ☆ **ساہی وال:** انوکھا ہیرا ☆ **ملتان:** چاچا بگھیلا، سب سے بڑا یہ وصف ہے میرے نصیب کا (نعت) ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** غرور کی سزا۔ ☆

روشن خیالات

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی، وہ جنت میں جائے گا۔''

مرسلہ: واجد علی، کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

عقل منداپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اُٹھاتا ہے۔

مرسلہ: زلیخا بانو کھتری اٹاری والے، نیو کراچی

امام غزالیؒ

بھوک سے کم کھاؤ، تا کہ خوف عبادت اور صحت میسر آئے۔

مرسلہ: محمد آصف علی، کراچی

حضرت بایزید بسطامیؒ

وہ خدا کے بہت قریب ہے، جو خوش اخلاق اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔

مرسلہ: عائشہ منان، اوکاڑہ

ٹیپو سلطان

ظالم کو معاف کرنا، مظلوموں پر ظلم کرنے کے برابر ہے۔

مرسلہ: بشریٰ معین، کراچی

قائد اعظم محمد علی جناح

کفایت شعاری ایک قومی خدمت ہے۔

مرسلہ: کنول عبدالستار ٹالپر، ٹنڈو جان محمد

شہید حکیم محمد سعید

دوسروں میں خامی تلاش کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لو۔

مرسلہ: ایمن معین، کراچی

ہربرٹ اسپنسر

عافیت اور امن درکار ہیں تو آنکھ اور کان سے زیادہ کام لو اور زبان بند رکھو۔

مرسلہ: دانیا فاطمہ، مسلم ٹاؤن، بہاول پور

☆☆☆

چاندی کی آواز

ابرار محسن

ہزاروں سال پہلے جب چین کی عظیم دیوار بھی نہ بنی تھی، چین دو سلطنتوں پر مشتمل تھا۔ یہاں دو بادشاہ حکومت کرتے تھے اور ان کی سلطنتوں کے نام ''شونان'' اور ''سین'' تھے۔ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک جنگل تھا، اتنا گھنا کے دونوں سلطنتوں کہ درمیان لوگوں کا آنا جانا بھی نہ تھا۔ اس خوف ناک جنگل میں دن کو بھی آدھی رات کا سا اندھیرا رہتا تھا اور اس میں دن رات درندوں کی ڈراؤنی آوازیں گونجتی رہتی تھیں۔ اس جنگل میں لکڑہارے بھی جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

شونان کے بادشاہ کا نام '' تائی فو'' تھا۔ وہ بڑا ظالم تھا۔ اس کا خزانہ سونا چاندی اور جواہرات سے بھرا تھا۔ یہ دولت اس نے غریبوں پر ظلم کر کے اور ان پر ناجائز ٹیکس لگا کر جمع کی تھی۔ لوگ اس کا نام سن کر تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔ شاید انھیں جنگل کے درندوں کا اتنا خوف نہ تھا جتنا کہ بادشاہ کا۔ تائی فو کو دنیا کی تمام آرام و آسایش کی چیزیں حاصل تھیں۔ اس کا محل انتہائی عالی شان تھا، جس کے میناروں کے کلس سونے کے تھے۔ اس کے ہزاروں خادم اور غلام تھے، جو صرف اس کے حکم منتظر رہتے تھے۔ اس کے باوجود وہ غمگین رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے ہاں سات بیٹیاں ہو چکی تھیں، جب کہ بیٹا ایک بھی نہ تھا۔

اسے یہی فکر ستاتی رہتی تھی کہ اس کے بعد اس کا جانشین کون ہوگا؟ اس کی جمع کی ہوئی دولت پر کس کا قبضہ ہوگا؟ وہ اسی سوچ میں پریشان رہتا۔ ہر بیٹی کی پیدایش پر اس کی پریشانی اور بڑھ جاتی اور وہ رعایا پر ظلم ڈھانے لگتا۔

''مجھے بیٹا چاہیے، تخت و تاج کا وارث۔'' وہ ملکہ سے کہتا۔

ملکہ خود غمگین رہتی تھی۔ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

ایک دن ملکہ نے آٹھویں بیٹی کو جنم دیا۔

''اوہ۔اوہ!'' بادشاہ غصے سے بال نوچتا ہوا دہاڑا: ''میں کیا کروں؟ آٹھویں بھی بیٹی ہوئی۔ مجھے بیٹا چاہیے۔''

اس نے غصے میں چینی کے برتن توڑ دیے، دروازوں اور کھڑکیوں کے ریشمی پردے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اپنے دو سپاہیوں کو بلا کر کہا: ''اس آٹھویں شہزادی کو لے جا کر گھنے جنگل میں پھینک دو۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' ملکہ تو بادشاہ کا یہ سخت حکم سن کر ہی مر گئی۔

سپاہی ننھی شہزادی کو لے کر چلے۔ اتفاق سے دونوں ہی سپاہی رحم دل تھے۔ انھوں نے سوچا کہ جنگل میں درندے اس پھول جیسی بچی کو کھا جائیں گے، جب کہ اس کا قصور تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس معصوم سے اس کی زندگی چھین لینا درندگی ہی تو ہے، مگر ہم کریں تو کیا کریں؟ بادشاہ کا حکم بھی ہے اور حکم نہ ماننے کی سزا بھی سخت ملتی ہے۔ کیا کریں؟

وہ اسی الجھن میں تھے کہ ایک ویران سی جگہ انھیں ایک جھونپڑی نظر آئی۔ اس میں ایک لکڑ ہارا اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ ان کی شادی کو بیس برس ہو چکے تھے، مگر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی میں اندھیرا سا تھا۔ سپاہیوں نے بچی کو اس لکڑ ہارے کو دے دیا اور کہا: ''لو، اب تمھاری اندھیری جھونپڑی میں چراغ جل اٹھا۔'' لکڑ ہارے اور اس کی بیوی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

سپاہیوں نے بادشاہ سے جا کر کہہ دیا: ''آپ کے حکم کے مطابق ہم نے شہزادی کو جنگل میں پھینک دیا ہے اور اب تک وہ درندوں کی خوراک بن چکی ہو گی۔''

سپاہیوں کو یقین تھا کہ بادشاہ کو کبھی حقیقت معلوم نہ ہو سکے گی۔ ویسے بھی بادشاہ اپنے بڑے سے پیٹ اور چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کی وجہ سے کہیں باہر نہیں جاتا تھا۔

ننھی شہزادی جنگل میں بڑی ہونے لگی۔ لکڑ ہارا اور اس کی بیوی اسے دل و جان سے چاہتے تھے اور انھیں ایک لمحے کے لیے بھی اس سے جدائی گوارا نہ تھی۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہو رہی

تھی، اس کی خوب صورتی بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ چندے آفتاب، چندے مہتاب تھی۔ وہ سارا دن جھونپڑی میں رہتی اور دن ڈھلے جنگل میں اس سمت نکل جاتی جدھر درخت کم تھے، پھر وہاں اپنی سریلی اور میٹھی آواز میں گیت گاتی پھرتی۔ اس کی آواز ایسی تھی، جیسے پہاڑی جھرنوں کی شہد بھری موسیقی۔ اسی وجہ سے لکڑ ہارے اور اس کی بیوی نے اسے ''چاندی کی آواز'' کا نام دیا تھا۔

جس دن ''شونان'' میں آٹھویں شہزادی پیدا ہوئی تھی، اس دن ''سین'' میں ایک شہزادہ پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام ''ادوان'' رکھا گیا تھا۔ بچپن ہی میں ادوان کے والدین مر گئے تھے۔ ادوان کی پرورش اس کے چچا نے کی تھی، جو بڑا نیک دل تھا۔ وہ ادوان کو اپنی ہی اولاد کی طرح چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ادوان کے بڑے ہو جانے پر اس کا تخت و تاج اس کے حوالے کر دے۔ ادوان شکار کا بہت شوقین تھا۔ شکار کھیلتے کھیلتے وہ بہت دور نکل جاتا تھا۔ اپنے کھو جانے کا اس کو کوئی ڈر نہ تھا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ چچا اسے ڈھونڈ نکالے گا۔

چچا ہمیشہ ادوان کو ہدایت کرتا تھا: ''بیٹا! جہاں چاہو جا سکتے ہو، مگر شونان کی طرف نہ

جانا۔ وہاں کا بادشاہ بڑا ظالم ہے اور ہر اجنبی کو قتل کرا دیتا ہے۔''

ادوان بھی جنگل کے اس پار شونان کی طرف کبھی نہیں جاتا تھا۔

ایک دن وہ شکار کھیلتے کھیلتے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ وہ ہرن کے پیچھے بہت دور نکل آیا تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ وہ شونان کی سرحد میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ راستہ بھی بھول چکا تھا۔

وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک نزدیک کی ایک جھاڑی میں سے کچھ سپاہی نکلے اور شہزادے پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اکیلا کہاں تک سپاہیوں کا مقابلہ کرتا۔ سپاہیوں نے اسے بے بس کر کے گرفتار کر لیا اور گھسیٹتے ہوئے محل میں لے گئے۔

بادشاہ نے جب شہزادے کو دیکھا تو غصے سے کہا: ''اس اجنبی کو آج کی رات قید خانے میں رکھو اور صبح سورج نکلتے ہی اس کا سر اڑا دو۔''

ادوان کو ایک اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ اس کی زندگی جلد ہی ختم ہونے والی تھی اور وہ بے بس تھا۔ آخر وہ ایک محافظ کو ہیرے کی انگوٹھی دے کر کسی طرح نکل بھاگا اور جا کر جنگل میں چھپ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دن نکلنے پر راستہ تلاش کرے گا۔

وہ تمام دن راستہ ڈھونڈتا رہا اور شام کے وقت تھکا ہارا' بھوکا پیاسا ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اچانک جنگل میں ایک آواز گونج اٹھی۔ جادو بھری میٹھی' چاندی کی آواز۔ وہ بھوک پیاس اور تھکن کو بھول کر اس آواز کی سمت چل دیا۔ ساری رات وہ اسی طرح بھٹکتا رہا۔ صبح ہوئی تو ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سامنے اس کا چچا چند سپاہیوں اور ایک بوڑھے کے ساتھ کھڑا تھا۔

چچا نے کہا: ''ادوان! ہم نے تمھیں نہ جانے کہاں کہاں ڈھونڈا۔ کہاں تھے تم؟''

ادوان نے جواب دیا: ''میں اس مدھری آواز کا راز جاننا چاہتا ہوں جو میں نے کل شام جنگل میں سنی تھی۔ اس کے بغیر میں واپس نہیں جاؤں گا۔''

اتنے میں بوڑھا بول اُٹھا: ''وہ خوب صورت آواز تو میری بیٹی کی ہے۔''

''تم کون ہو؟'' ادوان نے سوال کیا۔

بوڑھا بولا: ''میں ایک لکڑ ہارا ہوں' مگر چاندی کی آواز بادشاہ تائی فو کی بیٹی ہے۔'' اور پھر بوڑھے لکڑ ہارے نے ساری داستان سنا دی۔

سب لوگ لکڑ ہارے کی جھونپڑی میں گئے۔ شہزادی کو دیکھ کر سب ہی حیران رہ گئے۔ ایسا لگتا تھا، جیسے خوابوں کے دیس کی کوئی شہزادی زمین پر اتر آئی ہو۔

ادوان نے لکڑ ہارے سے کہا: ''میں چاندی کی آواز کو اپنی دلھن بناؤں گا۔''

لکڑ ہارا خوش ہو گیا۔ ادوان کے چچا نے بھی اجازت دے دی۔

ادوان اور چاندی کی آواز کا بیاہ ہو گیا اور کہا جاتا ہے' وہ دونوں بادشاہ اور ملکہ بن کر برسوں تک ہنسی خوشی کی زندگی گزارتے رہے۔

★ ★ ★

سال بھر کا انتظار اب ختم ہوا

ہمدرد نونہال

کا آیندہ شمارہ

خاص نمبر ہوگا

۵۷ سال سے نونہالوں کا چہیتا، بڑوں کا پسندیدہ رسالہ

- سنسنی خیز، مزاحیہ، ولولہ انگیز، سبق آموز، چٹپٹی کہانیاں
- اشتیاق احمد کا ایک عمدہ اور خوب صورت مکمل ناول
- شہید حکیم محمد سعید کی کٹھی میٹھی، دل لبھاتی تحریریں
- مسعود احمد برکاتی کی یادرکھنے والی کئی تحریریں
- اسلامی، تاریخی، سائنس کی حیرت انگیز باتیں
- نئی اور مزے دار انوکھی معلومات
- خوب صورت نظمیں * مسکراتے کارٹون
- کھلکھلاتے لطیفے * نادر اور کام آنے والے اقوال
- بہت ساری نئی دل چسپیاں * کم قیمت میں زیادہ مزے

ساتھ میں ایک خوب صورت تحفہ بھی

اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے
اخبار والے سے ابھی کہہ دیں

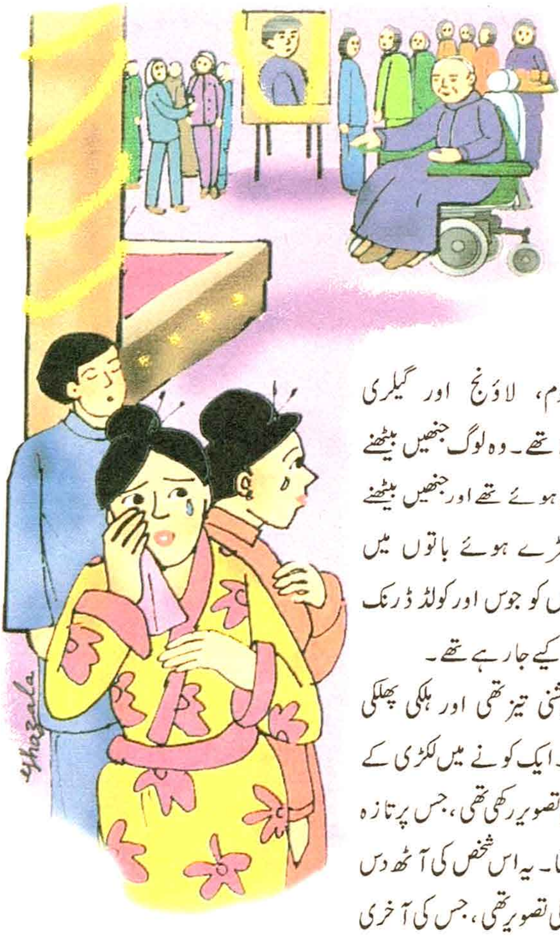

ایک اور احسان

حسن ذکی کاظمی

ڈرائنگ روم، لاؤنج اور گیلری مہمانوں بھرے ہوئے تھے۔ وہ لوگ جنھیں بیٹھنے کی جگہ مل گئی تھی، بیٹھے ہوئے تھے اور جنھیں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی، وہ کھڑے ہوئے باتوں میں مصروف تھے۔ مہمانوں کو جوس اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ اسنیکس پیش کیے جا رہے تھے۔

بنگلے میں روشنی تیز تھی اور ہلکی پھلکی سجاوٹ بھی کی گئی تھی۔ ایک کونے میں لکڑی کے اسٹول پر ایک بڑی سی تصویر رکھی تھی، جس پر تازہ پھولوں کا ہار پڑا ہوا تھا۔ یہ اس شخص کی آٹھ دس سال پہلے یعنی جوانی کی تصویر تھی، جس کی آخری رسوم کے لیے یہ سب لوگ آج اکٹھے ہوئے تھے۔

مہمانوں اور سوگواروں کو جمع ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا

اور ایک شخص وھیل چیئر پر کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر ہر طرف سناٹا چھا گیا اور پھر چند سیکنڈ بعد ایک طرف سے دبی دبی سسکیوں کی آواز آنے لگی۔ ماحول بوجھل ہونے لگا۔

دنیا سے عنقریب جانے والے یہ صاحب جو ابھی وھیل چیئر پر داخل ہوئے تھے، مسٹر دنگ سونگ تھے۔ سب لوگ ان کی آخری رسوم کے لیے جمع ہوئے تھے، انھیں دنیا سے رخصت کرنے کے لیے۔

جی ہاں! مسٹر سونگ اگلے دو تین دن میں دنیا سے جانے والے تھے۔ ان کی عمر تو زیادہ نہ تھی، مشکل سے پینتالیس سال ہوگی، لیکن انھیں جگر کے سرطان نے آدبوچا تھا اور ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ وہ اب زندہ نہیں بچیں گے۔ ڈاکٹروں نے ان کی موت کے وقت کا جو اندازہ لگایا تھا، وہ اب آیا ہی چاہتا تھا۔

اس ملک میں اور اس کے پاس پڑوس کے ملکوں میں یہ رواج عام ہوتا جا رہا تھا کہ معالج جن لوگوں کو لاعلاج قرار دے کر ان کی موت کا یقین دلا دیتے تھے، وہ معالج کی بتائی ہوئی تاریخ یا وقت سے کچھ ہی دن پہلے اپنی آخری رسوم یا رخصتی کی تقریب منا لیتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ سب دوست، عزیز اور جاننے والے مرنے کے بعد جمع ہونے کے بجائے زندگی میں جمع ہو جائیں، تاکہ ان سے آخری ملاقات ہو جائے اور اس موقع پر دنیا سے جانے والا اپنی آخری خواہشوں کا اظہار اور اپنی وصیت کا اعلان کر دے اور ہنسی خوشی رخصت ہو جائے۔

مسٹر سونگ اپنے شہر کے مشہور اور کام یاب وکیل تھے اور انھوں نے اپنی کم عمری کے باوجود خوب دولت کمائی تھی۔ وہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ لندن پہنچ گئے، جہاں انھوں نے ٹمپلز اِن سے بیرسٹری کی تعلیم مکمل کی اور اپنے وطن واپس آ کر اپنی لیاقت اور تعلیم کا خوب فائدہ اُٹھایا۔ افسوس کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنی دولت سے زیادہ دن فائدہ نہ اُٹھا سکے اور اوپر سے ان کا بلاوا آ گیا۔

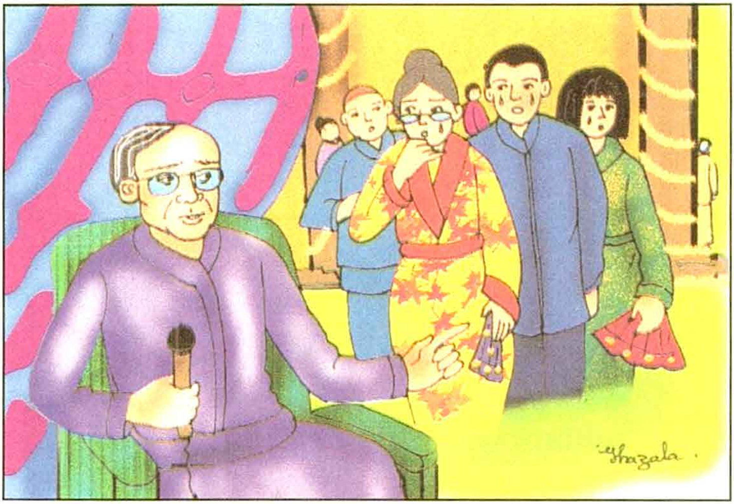

مسٹر سونگ وھیل چیئر پر کمرے میں داخل ہوئے تو ہر طرف خاموشی چھا گئی اور بس سسکیوں کی آواز آتی رہی۔ انھوں نے مہمانوں پر ایک نظر ڈالی، ہاتھ ہلا کر سب کو خوش آمدید کہا اور پھر اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ وہ ان دو خواتین سے مخاطب ہوئے جو رو رہی تھیں۔

''مسز منگ! مسز پوشانگ! پلیز! روئیے نہیں۔ میری خواہش ہے کہ لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر جاؤں۔ آپ روئیں گی تو مجھے اس آخری سفر میں بڑی تکلیف ہوگی۔ اس دنیا میں، اس بھری پری دنیا میں کسی کے آنے اور کسی کے جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آج ایک انسان جاتا ہے، کل اس کی جگہ پُر ہو جاتی ہے اور پھر میں تو ایک دنیادار انسان ہوں۔ میں نے زندگی میں جو کچھ کیا، وہ صرف اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا۔ زندگی بھر میرا یہی طریقہ رہا، خودغرضی کا طریقہ، یعنی یہ کہ اپنا بھلا کرو، دوسرے کی پروانہ کرو۔ تو اے محترم خواتین! میرے جیسے انسان کی

ہم سے ہیں یہ محفلیں ہم سے دل لگانا ہے
اور کیا ہے چاہیئے ہم سے ہی زمانہ ہے
SPORT
SHARBAT
ROOH AFZA
ہمدرد
روح افزا اور کیا چاہیئے!
Blitz DDB

جگہ تو فوراً پُر ہو جائے گی، پھر میرے جانے پر یہ آنسو کیوں؟ یہ سسکیاں کیوں؟ پلیز! ان آنسوؤں کو کسی ایسے نیک انسان کی موت کے لیے سنبھال رکھیے جس کے دل میں انسانیت کا درد ہو۔ میرا کیا ہے؟ آج مرا، کل دوسرا دن۔''

مسٹر سونگ کی اس جذباتی گفتگو سے ان خواتین کی سسکیوں کی آواز اور اونچی ہوئی اور رونے کی کچھ اور آوازیں بھی آنے لگیں۔ مسٹر سونگ گردن موڑ موڑ کے اِدھر اُدھر مہمانوں کو دیکھ رہے تھے اور ہاتھ کے اشارے سے کسی کو سلام کرتے اور کسی کی خیریت پوچھتے جاتے تھے۔ اچانک ان کی نظر ایک ساٹھ پینسٹھ سال کے شخص پر جا کر پڑی۔ اس شخص کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے زور سے کہا: ''ارے مسٹر ہاشو! آپ؟''

یہ کہہ کر انھوں نے بیٹری سے چلنے والی وھیل چیئر کا بٹن دبایا اور تیزی سے اس شخص کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس شخص نے سونگ کی بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے اپنا آدھا چہرہ اپنے ہیٹ سے چھپانے کی کوشش کی۔ سونگ نے قریب پہنچ کر کہا: ''میرے محسن! میں آپ کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ آپ یقیناً مسٹر ہاشو ہیں، لیکن یہ بتائیے کہ آپ اتنے دن کہاں رہے؟ میں نے آپ کی کھوج لگانے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔''

مسٹر ہاشو نے چہرے سے ہیٹ ہٹاتے ہوئے کہا: ''اور آج ملاقات ہوئی بھی تو ایسی کہ دو تین دن بعد آپ دنیا سے ہی رخصت ہو جائیں گے۔ افسوس...... افسوس مسٹر سونگ! میں آپ کے لندن سے آنے کے چند ہی سال بعد وطن واپس آ گیا تھا، لیکن قسمت کی بات ہے کہ خالی ہاتھ آیا اور یہاں کوئی اچھا کام نہ کر سکا، پریشان ہی رہا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں، کیا کر رہے ہیں، لیکن کئی بار ارادہ کرنے کے باوجود آپ سے ملنے نہ آ سکا۔ جب بھی آنے کا سوچا، اس خیال سے رک گیا کہ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں کسی مدد کی امید لے کر آیا ہوں۔ اسی الجھن میں یہ دن آ گیا۔ چند روز پہلے اخبار میں اس تقریب کا اشتہار

دیکھا تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ آپ سے آخری مرتبہ ضرور ملوں گا۔''

مسٹر سونگ نے مسٹر ہاشو کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا: ''میرے محسن! یہ کیا غضب کیا آپ نے؟ آپ مجھ سے کیوں چھپے رہے؟ مجھے خدمت کا موقع کیوں نہ دیا؟ اچھا آیئے، اب وہاں چل کر میرے پاس بیٹھیے۔ آپ سے کچھ باتیں تو کرلوں۔''

مسٹر سونگ نے اپنی وھیل چیئر واپس موڑی اور مسٹر ہاشو بھی ان کے ساتھ چلے۔ دونوں چند منٹ باتیں کرتے رہے اور مہمان انھیں حیرت سے دیکھتے رہے کہ یہ معاملہ کیا ہے؟

اب ہلکی ہلکی موسیقی بجنا شروع ہوگئی۔ ایک شخص مائیکروفون ہاتھ میں لیے مسٹر سونگ کے پاس آیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ مہمانوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ سونگ نے مائیکروفون تھام لیا اور وھیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے تقریر شروع کی:

''میرے عزیزو اور میرے دوستو! میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں نے اس دنیا میں پینتالیس سال گزارے۔ یہ عمر زیادہ نہیں لیکن اس تھوڑی عمر میں، میں نے زندگی کے سارے مزے لے لیے۔ دولت کمائی، شہرت حاصل کی، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی وقت گزارا، مجھے دوستوں، عزیزوں کی محبت بھی ملی۔ انسان کو اور بھلا کیا چاہیے؟ میں اپنی بیوی اور دو بچوں کے لیے اتنی جائداد چھوڑ کر جا رہا ہوں، اتنا بینک بیلنس چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ انھیں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ آپ خود بتایئے کہ میں نے ایک کامیاب اور بھرپور زندگی گزاری یا نہیں؟ میں اپنا وصیت نامہ تیار کر کے اپنے وکیل کو دے چکا ہوں، لیکن اچانک حالات میں کچھ تبدیلی آئی ہے۔ آج اس تقریب میں میرے ایک محسن آگئے، جو بہت دن سے لاپتا تھے، کھوئے ہوئے تھے۔ آج ان کے مل جانے کے بعد مجھے اپنی وِل (وصیت نامہ) میں کچھ تبدیلی کرنا ہوگی۔ ارے ہاں! آپ سے میں اپنے محسن کا تعارف تو کرادوں۔''

یہ کہہ کر مسٹر سونگ نے پاس بیٹھے ہوئے مسٹر ہاشو کی طرف اشارہ کیا اور تقریر جاری

رکھی: "یہ مسٹر سیمو ہاشو ہیں۔ جب میں لندن میں بیرسٹری کر رہا تھا تو یہ بھی وہاں رہتے تھے، اسی بلاک آف فلیٹس میں جس میں، میں رہتا تھا۔ دونوں کا تعلق چوں کہ ایک ہی ملک سے تھا، لہٰذا عمر میں کافی فرق کے باوجود ہماری دوستی ہوگئی۔ مسٹر ہاشو کسی اسٹور میں کام کرتے تھے۔ رات کو جب میں پڑھائی ختم کر کے آتا اور مسٹر ہاشو اسٹور سے آتے تو ہمارے درمیان خوب باتیں ہوتیں۔ ایک دن مجھے وطن سے یہ خبر ملی کہ میری ماں سخت بیمار ہیں۔ وہ ٹی بی کی مریضہ تھیں اور اس بیماری کا آخری اسٹیج آن پہنچا تھا اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ یہ خبر ملتے ہی میری بُری حالت ہوگئی۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں ماں کے مرنے سے پہلے کسی طرح ان سے مل لوں۔ میں نے سوچا کہ جب میرا دل ماں سے ملنے کو اتنا چاہ رہا ہے تو ماں کا دل مجھ سے ملنے اور مجھے دیکھنے کو کتنا تڑپ رہا ہوگا۔ بس اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں نے بینک سے قرض لینے کی کوشش کی، لیکن ناکامی ہوئی۔ کسی اور ذریعے سے بھی کرائے کی رقم کا انتظام نہ ہو سکا۔ میں سخت پریشان تھا۔ رات کو مسٹر ہاشو سے ملاقات ہوئی۔ یہ میری پریشانی کو بھانپ گئے اور انھوں نے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ پہلے میں ٹالتا رہا، پھر اپنا دل ہلکا کرنے کے لیے میں ساری بات بتا دی۔ مسٹر ہاشو کچھ سوچتے رہے اور کچھ بولے نہیں۔"

مسٹر سونگ کی تقریر یہاں تک پہنچی تو مسٹر ہاشو ایک دم کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: "مسٹر سونگ! میرا خیال ہے کہ اتنا تعارف کافی ہے۔ بس آگے میرے بارے میں کچھ نہ کہیے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

سونگ نے کہا: "مسٹر ہاشو! مجھے کہنے دیجیے۔ بتانے دیجیے کہ آپ نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا تھا، اگر آپ نے مجھے روک دیا تو میرے دل پر ایک بوجھ رہ جائے گا۔ آپ اسے میری آخری خواہش جان کر مجھے اجازت دے دیجیے کہ میں اپنے مہمانوں کو سب کچھ بتا دوں۔ پلیز! مسٹر ہاشو! پلیز۔"

مسٹر ہاشو خاموش سر جھکا کر بیٹھ گئے اور انھوں نے بس اتنا کہا: ''جیسی آپ کی مرضی۔''

مسٹر سونگ نے اپنی تقریر جاری رکھی: ''ہاں تو میرے دوستو! میں یہ بتا رہا تھا کہ اس وقت تو مسٹر ہاشو میری بات سن کر کچھ نہ بولے، لیکن جب دوسرے دن ان سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے فوراً ہی مجھ سے کہا: ''تم اپنے سفر کی تیاری کرلو۔ رقم کا انتظام ہو گیا ہے۔''

میں خوشی اور حیرت سے اُچھل پڑا: ''کیسے؟ کس نے دی یہ رقم؟'' مسٹر ہاشو نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا: ''اس نے دی ہے جو میرا اور تمھارا پالنے والا ہے۔'' یہ رقم میرے لندن سے وطن تک واپسی کے کرائے سے بھی دُگنی تھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا: ''اتنی رقم کا میں کیا کروں گا؟ یہ تو بہت زیادہ ہے۔''

مسٹر ہاشو بولے: ''رکھ لو، رکھ لو۔ نہ معلوم وہاں کیا حالات ہوں۔ شاید دوا، علاج کے لیے ضرورت ہو یا شاید......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ میں نے ایک بار پھر نوٹوں پر نظر ڈالی اور انھیں اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا: ''مسٹر ہاشو! آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا، اگر میں آخری وقت ماں سے نہ مل پایا تو انھیں کتنا صدمہ اور مجھے کتنا پچھتاوا ہوتا۔ آپ انسان نہیں فرشتہ ہیں۔'' مسٹر ہاشو نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولے: ''یہ باتوں کا وقت نہیں۔ جلدی اپنی بکنگ کراؤ، وقت ضائع نہ کرو۔'' بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مسٹر ہاشو نے یہ رقم پینی پینی جوڑ کر اس لیے جمع کی تھی کہ اپنے وطن میں اپنا گھر بنانے کے لیے زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا خرید سکیں۔ میں جب بھی ان سے کہتا کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا تو یہی جواب ملتا: ''گھر تو کسی وقت بھی بن سکتا ہے، لیکن اگر تم اس وقت وطن نہ جاتے تو ایک ماں کی روح بے چین رہتی اور ایک بیٹا ہمیشہ پچھتاتا رہتا۔'' یہ ایک حقیقت ہے کہ مجھ سے مل لینے کے بعد ماں بڑے سکون سے اس دنیا سے گزر گئیں اور میں نے اپنے ہاتھوں سے ان کی آخری رسوم ادا کر کے ایسا اطمینان حاصل کیا جو آج بھی میرے ساتھ ہے۔

لندن سے واپسی تک میں مسٹر ہاشو کا قرض ادا نہ کر سکا۔ مجھے یوں لگا کہ ان کی نیت یہ قرض واپس لینے کی نہیں ہے۔ میں لندن سے واپس آ گیا اور ایک عرصے تک ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ آج یہ ملے بھی ایسے وقت کہ میں دنیا سے جا رہا ہوں۔''

اتنا کہہ کر مسٹر سونگ نے اپنی سیکرٹری کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آئی تو اس سے وصیت نامے کی نقل لانے کو کہا اور پھر تقریر شروع کی: ''میں اپنی ساری دولت بیوی اور بچوں کے لیے چھوڑ کر جا رہا تھا، لیکن اب ان کے ساتھ میرے محسن مسٹر ہاشو بھی شامل ہوں گے۔ میں اپنا وصیت نامہ تبدیل کر رہا ہوں۔''

کمرہ تالیوں اور تعریفی نعروں سے گونج اُٹھا۔ شور کم ہوا تو مسٹر ہاشو کھڑے ہوئے اور انھوں نے مسٹر سونگ کو مخاطب کر کے کہا: ''آپ کا بہت بہت شکریہ، لیکن آپ کا یہ فیصلہ مجھے قبول نہیں۔ بات یہ ہے کہ میری بیوی مر چکی ہے۔ بیٹا تعلیم ختم کرنے کے بعد اچھی ملازمت حاصل کر رہا ہے۔ اب رہ گیا میں، تو میں عمر کے اس حصے میں ہوں جس میں انسان کی خواہشات اور ضرورتیں بہت کم ہو چکی ہوتی ہیں۔ میری ٹھیک گزر بسر ہو رہی ہے تو پھر میں آپ کی دولت میں کیوں حصے دار بنوں؟ اب آپ غور سے میری بات سنیے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی جمع پونجی میں سے ایک مناسب حصہ اس اسپتال کو دے دیجیے، جس نے ایک عرصے تک آپ کی پیاری ماں کی خدمت کی یا پھر آپ کی مدد کا مستحق وہ اسپتال ہے جو آپ کی خدمت کرتا رہا، یا پھر اپنی ماں اور اپنی طرف سے کسی ایسے ادارے کی مدد کیجیے جو مختلف بیماریوں کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں، تاکہ انسانیت کا بھلا ہو۔ ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ نے زندگی بھر اپنا ہی اپنا سوچا اور کسی کا بھلا نہ کیا۔ میرے عزیز! آپ خود غرضی کا یہ الزام اپنے سر لے کر دنیا سے کیوں جانا چاہتے ہیں؟ میرا مشورہ مان لیجیے تو پھر یہ بات نہیں ہوگی کہ آج مرے کل دوسرا دن، آپ چلے بھی گئے تو آپ کا نام رہے گا، کام رہے گا۔ آپ کی یاد رہے گی اور سب سے بڑی بات یہ کہ جس ماں کی

آپ کو اتنی فکر تھی، اتنی چاہت تھی، اس کی روح ہمیشہ ہمیشہ شاد رہے گی۔ کتنا سکون ملے گا ماں کی روح کو اور خود آپ کی روح کو۔ میرے دوست! جاتے جاتے اپنی اگلی نسلوں کے لیے ایک روشن مثال قائم کر جاؤ۔''

مسٹر سونگ نے مسٹر ہاشو کا ہاتھ بڑی محبت سے اپنے ہاتھ میں تھاما اور بولے: ''میرے محسن! ایک احسان آپ نے اس وقت کیا تھا جب آخری وقت مجھے میری ماں سے ملوایا تھا اور دوسرا احسان آپ کا یہ مشورہ ہے جو مجھے اپنا آخری سفر سکون سے طے کرنے میں مدد دے گا اور ماں کے سامنے مجھے سرخ رو کرے گا۔'' ☆

گھر کے ہر فرد کے لیے مفید

ماہنامہ

ہمدرد صحت

صحت کے طریقے اور جینے کے قرینے سکھانے والا رسالہ

✠ صحت کے آسان اور سادہ اصول ✠ نفسیاتی اور ذہنی الجھنیں

✠ خواتین کے صحی مسائل ✠ بڑھاپے کے امراض ✠ بچوں کی تکالیف

✠ جڑی بوٹیوں سے آسان فطری علاج ✠ غذا اور غذائیت کے بارے میں تازہ معلومات

ہمدرد صحت آپ کی صحت و مسرت کے لیے ہر مہینے قدیم اور جدید

تحقیقات کی روشنی میں مفید اور دل چسپ مضامین پیش کرتا ہے

رنگین ٹائٹل --- خوب صورت گٹ اپ --- قیمت: صرف ۳۵ رپے

اچھے بک اسٹالز پر دستیاب ہے

ہمدرد صحت، ہمدرد سینٹر، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

علم

مرسلہ: محمد رضا علی سرگانہ، ملتان

خلیفہ ہارون الرشید گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عالم ابوالحسن ملے۔ ہارون الرشید احتراماً گھوڑے سے نیچے اُترے اور مصافحہ کیا اور ان سے دربار میں نہ آنے کی شکایت کی۔ انھوں نے جواب دیا: ''میں مطالعے میں اس قدر مصروف رہتا ہوں کہ فرصت نہیں ملتی۔''

ہارون الرشید نے پوچھا: ''اتنے علم کا کیا فائدہ؟''

ابوالحسن نے جواب دیا: ''ایک دو فائدے ہوں تو بتاؤں۔ اس کا ایک یہ فائدہ کیا کم ہے کہ بادشاہ نے گھوڑے سے اُتر کر مصافحہ کیا ہے۔''

اچھی صحت کا راز

مرسلہ: ثناء فاطمہ راجپوت، نواب شاہ

دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے دوران ایک جاپانی اپنی جان بچانے کے لیے جنوبی بحرالکاہل کے ایک جزیرے میں چھپ گیا۔ یہ جزیرہ ایسی جگہ واقع تھا، جہاں کوئی آتا جاتا نہیں تھا۔ وہ ۳۰ برس اس جزیرے میں رہا۔ اتفاق سے اس کی موجودگی کا علم ہوا۔ سب سے پہلے ڈاکٹروں نے اس کا معائنہ کیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کی صحت اچھی اور قابلِ رشک ہے۔

وہ ساٹھ سال کا تھا، لیکن بظاہر وہ چالیس برس کا لگتا تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کی اچھی صحت کا راز یہ ہے کہ وہ ایسے درختوں کے پتے کھاتا رہا تھا، جو کھائے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ سبزیاں اور پھل کھاتا رہا۔ تحقیق سے بھی یہی ثابت ہوا ہے کہ اچھی صحت کا راز سبزیاں اور پھل ہیں۔

ہاتھی کا فرار

مرسلہ: فرحان کلیم، لاہور

گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ایک فوج کے سپہ سالار نے اپنی فوج کی قیادت کرتے

ہوئے اتنی تیزی سے پیش قدمی کی کہ وہ اپنی فوج سے کٹ گیا اور قریب قریب دشمن کے نرغے میں پہنچ گیا۔ وہ بے حد زخمی تھا، پھر بھی میدان میں ڈٹا رہا۔ اس کے ہاتھی کا مہاوت مارا گیا۔ اس کے توپ خانے کا کمان دار بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھی کٹ کٹ کر اس کے گرد گرنے لگے، لیکن اس نے میدان نہیں چھوڑا۔ اچانک اس کا ہاتھی کیچڑ میں پھنس گیا۔ مخالف فوج کے سپاہیوں نے اس پر تیروں کی بوچھاڑ کردی۔ ہاتھی تیروں سے بچنے کے لیے بھاگ نکلا۔

سپہ سالار زخموں سے چور تھا، لیکن اس نے ہاتھی پر بیٹھے بیٹھے دشمن کی طرف رخ کیا اور بلند آواز سے کہا:

''ہاتھی بھاگ رہا ہے، میں نہیں۔''

جلا وطنی

مرسلہ: تحریم خان، کراچی

روم کے عظیم مفکر جولیس سیزر کو جب روم سے نکالا گیا تو اس نے روم کی سرحد پر جا کر کہا:

''اے روم! میں نے تجھے جلا وطن کیا۔''

خوش بو

شاعر: حسن عابدی

پسند: خدیجہ زاہد، کراچی

پھول میں خوش بُو رہتی ہے
خوش بُو مجھ سے کہتی ہے
آؤ باغ کی سیر کریں
شاخوں پر جھولا جھولیں
سبزے پر لہرائیں ہم
پودوں میں چھپ جائیں ہم
شہد کی مکھی آتی ہے
پھولوں کا رس لے جاتی ہے
تتلی رنگ اُڑاتی ہے
پھول بنی ، اتراتی ہے
لیکن وہ بُو ، باس کہاں
خوش بُو اُس کے پاس کہاں
مجھ کو چھو کر ، دور چلی
خوش بُو ، جائے گلی گلی

نظر رکھیے

مرسلہ: مریم کومل، میر پور ساکرو

اپنے خیالات پر نظر رکھیے، یہ الفاظ کی

شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے الفاظ پر نظر رکھیے، یہ عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے اعمال پر نظر رکھیے، یہ عادت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اپنی عادات پر نظر رکھیے، یہ شخصیت کا روپ دھار لیتی ہیں اور اپنی شخصیت پر نظر رکھیے، یہ آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔

حسنِ سلوک

مرسلہ: عروبہ محمود، شکار پور

خلیفہ مامون الرشید ہر اتوار کو صبح سے دوپہر تک عام شکایت سننے کے لیے دربار لگاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے سامنے ایک غریب بڑھیا پہنچی۔ اس نے مامون الرشید کے بیٹے عباس کے خلاف یہ شکایت کی کہ عباس نے اس کی جائداد غصب کر لی ہے۔ عباس اپنے باپ کے بازو میں بیٹھا ہوا تھا۔ مامون الرشید نے اسے وہاں سے اُٹھوا کر بڑھیا کے برابر میں کھڑا کر دیا۔ پھر دونوں کے بیانات سنے۔ بڑھیا درباری آداب سے ناواقف تھی، اس لیے زور زور سے بات کر رہی تھی۔ مامون الرشید کے وزیر نے اسے ٹوکا:

''ضعیفہ! امیر المومنین کے سامنے اونچی آواز سے بولنا ادب کے خلاف ہے۔''

مامون الرشید نے وزیر کو مداخلت سے روک دیا اور کہا: ''بڑھیا جس طرح بول رہی ہے، اسے بولنے دو۔''

فریقین کے بیانات سننے کے بعد مامون الرشید نے بڑھیا کے حق میں فیصلہ دے کر اس کی جائداد واپس کروادی اور خادموں کو اس کے ساتھ مزید اچھا سلوک کرنے کی تاکید بھی کی۔

بابائے پشتو

مرسلہ: راحیل احمد اعوان، راولپنڈی

بابائے پشتو خوش حال خان خٹک ایک عظیم شاعر، نثر نگار، تجربے کار، جرنیل، حکیم، فلسفی، ریاضی و تاریخ داں تھے۔ آپ جون ۱۶۱۳ء میں اکھوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ نے عربی اور فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ ان دنوں پشاور علوم کا مرکز تھا۔ ۱۳ سال کی عمر میں پہلی لڑائی لڑی۔ ۱۶۴۱ء میں والد کی وفات کے بعد ۲۸ سال کی عمر میں اپنے قبیلے کے سردار بنے۔

بڑے لوگوں کی باتیں

مرسلہ: گلناز نسیم، لاہور

☆ تعلیم نے آبادی کی بہت بڑی تعداد کو پڑھنے کے قابل بنا دیا ہے، لیکن یہ تمیز نہیں دی کہ کون سی چیز پڑھی جائے۔ **جی ایم ٹریویلین۔**

☆ غلط بات جاننے سے نہ جاننا بہتر ہے۔ **جوشھ بلنگ۔**

☆ خالص اور مکمل غم، خالص اور مکمل خوشی کی طرح ناممکنات میں سے ہیں۔ **ٹالسٹائی۔**

☆ مجھے آج تک تنہائی سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ملا۔ **ٹالسٹائی۔**

☆ تقدیر ہمیشہ دلیروں کا ساتھ دیتی ہے۔ **ٹیرینس۔**

☆ جس نے دشمن نہیں بنایا، وہ دوست بھی نہیں بنا سکتا۔ **ٹینی سن۔**

نجات کا طالب

مرسلہ: وجیہہ انور جاوید ہاشمی، کراچی

غالب کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، جن کا نام تھا سید عالم۔ وہ خاصے پرہیز گار اور عالمِ دین تھے اور غالب ان کی بزرگی کو مانتے تھے۔ ایک بار سید عالم صاحب نے غالب کو کسی ضرورت کے تحت ایک خط لکھا۔ سید عالم صاحب کی تحریر خاصی ٹیڑھی اور شکستہ تھی اور جلدی پڑھنے میں نہ آتی تھی۔ غالب کو جب یہ خط ملا تو انھوں نے سید صاحب کو جواباً لکھا:

''پیر و مرشد! خط موصول ہوا۔ چوما، چاٹا، آنکھوں سے لگایا۔ آنکھیں پھوٹیں جو ایک حرف بھی پڑھا ہو۔ تعویز بنا کر تکیے میں رکھ لیا ہے۔

نجات کا طالب، غالب۔''

حاضر جوابی

مرسلہ: نگینہ اکمل، سکھر

جناب ذوالفقار علی بھٹو جب صدر منتخب ہوئے تو ایک محفل میں ان سے مولانا شاہ احمد نورانی کا تعارف کرایا گیا۔ بھٹو صاحب نے کہا: ''اچھا تو یہ ہیں نورانی میاں، جو حکومت کے کاموں میں کیڑے نکالتے رہتے ہیں۔''

مولانا نے طنزیہ انداز میں جواب دیا: ''حکومت اپنے کاموں میں کیڑے نہ پڑنے دے تو ہم کو کیڑے نکالنے نہیں پڑیں۔''

☆☆☆

نونہال ادب کی سبق آموز اور دل چسپ کتابیں

وہ بھی کیا دن تھے

شہید پاکستان حکیم محمد سعید نے اپنے بچپن کی باتیں بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہیں۔ اپنی شرارتوں کا ذکر کیا ہے۔ تعلیم سے لے کر کھیل تک کے واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف مزے دار اور سبق آموز ہے بلکہ حکیم صاحب کی کام یاب شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

صفحات: ۶۴ ——— قیمت: ۶۰ رُپے

جوہر قابل

مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کے ولولہ انگیز حالات و واقعات جنھیں مسعود احمد برکاتی نے سہل، سلیس اور دل نشین انداز میں لکھا ہے۔ تیسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ سرورق پُر کشش۔

صفحات: ۶۴ ——— قیمت ۴۵ رُپے

رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مختصر حالات زندگی جن کا ہر عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ مولانا فضل القدیر ندوی کی ایک مفید اور سبق آموز کتاب۔

صفحات: ۴۰ ——— قیمت: ۳۵ رُپے

اُمّت کی مائیں

اس کتاب میں حضور اکرمؐ کی قابلِ احترام بیبیوں کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں جو ہمارے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہیں اور مسلمان بچیوں اور خواتین کے لیے خاص طور پر سبق آموہیں۔ بچوں اور بڑوں سب کے لیے یکساں مشعلِ راہ۔

صفحات: ۴۰ ——— قیمت: ۲۰ رُپے

☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

☆ ہمدرد کتابستان، نزد جامع مسجد آرام باغ، شاہراہ لیاقت، کراچی

کبھی چلتی ہوں، کبھی گرتی ہوں

حافظ مظفر محسن

بوجھ سر پہ اٹھائے پھرتی ہوں
کبھی چلتی ہوں ، کبھی گرتی ہوں
کچھ کھلونے بھی اس میں ڈالے ہیں
بڑی مشکل سے جو سنبھالے ہیں
اک پنسل ہے ، دو کتابیں ہیں
چھوٹے بھیا کی دو جرابیں ہیں
نانی جی کا اگالدان بھی ہے
چھالیوں والا اک پان بھی ہے
سر پہ جو بوجھ ڈالے پھرتی ہوں
جانے کیسے سنبھالے پھرتی ہوں
چھوٹی سی ٹانگیں ہیں ، چھوٹے چھوٹے ہاتھ
چل رہی ہوں دیوار کے ساتھ
گرنے لگتی ہوں ، تھام لیتی ہوں
بس دیواروں سے کام لیتی ہوں
کسی مشکل سے نہ ڈری ہوں میں
گر کے یہ دیکھو ، پھر کھڑی ہوں میں
آج چھوٹے ہیں ، کل بڑے ہوں گے
اپنے پاؤں پہ ہم کھڑے ہوں گے

کیا میں آپ کی چہیتی ہوں؟

مسعود احمد برکاتی

کیا میں آپ کی چہیتی ہوں؟ ہاں، میں آپ کی چہیتی ہوں، مگر ٹھیریے، ذرا پوری بات سن لیجیے۔

بات کہاں سے شروع کروں۔ انسان میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کم زوریاں بھی۔ انسان اچھے اچھے کام بھی کرتا ہے اور غلط کام بھی کر گزرتا ہے۔ اچھا انسان غلط کاموں سے بچتا ہے۔ بُرائی سے دور رہتا ہے۔ اس کو بُرائی پسند نہیں ہوتی، اس لیے وہ بُرائی سے بچتا ہے۔ بُرائی سے تو یوں بھی بچنا چاہیے کہ بُرے آدمی کو لوگ پسند نہیں کرتے۔ لیکن نہیں، اب ایسا نہیں ہے۔ بُرائی کرنے والے کو اب پہلے کی طرح بُرا نہیں کہتے۔ پہلے غلط اور بُرے کام کرنے والوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اُن کو دل سے بھی بُرا سمجھتے تھے اور زبان سے بھی بُرا کہتے تھے، اس لیے ہر انسان بُرائی اور غلط کاموں سے بہت دور رہتا تھا۔

بُرے آدمی سے لوگ کیوں دور رہتے تھے؟ اس لیے کہ بُروں کے ساتھ ملنے جلنے سے کہیں لوگ اُن کو بھی حقارت سے نہ دیکھنے لگیں۔ غلط کام کرنے یا ان میں حصہ لینے والوں کے ساتھ رہنے والوں کے متعلق بھی لوگوں کے خیالات اچھے نہیں ہوتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بُری باتوں کا اثر جلدی قبول کرتا ہے اور خود بھی ویسی باتیں، ویسے ہی کام کرنے لگتا ہے۔

آج کل اچھے کاموں کی اور اچھے کام کرنے والوں کی ذرا کمی ہوگئی ہے۔ ذرا نہیں، خاصی کمی ہوئی ہے اور ہوتی جا رہی ہے، اور کیوں نہ ہو۔ اچھے کاموں کی قدر بھی تو کم ہوگئی ہے۔ اچھے کام کرنے والوں کو بھی لوگ اتنی محبت سے، اتنی عزت سے نہیں دیکھتے، جتنی محبت اور عزت سے پہلے دیکھتے تھے۔

وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اعلا خوبیاں، اچھے اخلاق اور آپس میں وہ محبت اور وہ تعاون نہیں رہا، جو ہونا چاہیے اور جو پہلے تھا۔ تو کیا نیکی آپ کو پسند نہیں رہی؟ کیا بُرائی یعنی میں آپ کی چہیتی نہیں ہوں؟ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ اب لوگ مجھ سے اتنی دور نہیں رہتے، جتنی دور پہلے رہتے تھے۔ تو کیا آپ مجھے چاہنے لگے ہیں؟ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ ☆

کاغذ کی تھیلی

مسعود احمد برکاتی

سلمان ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ وہ ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں پڑھا تھا کہ کوئی چیز ٹھنڈی کرنی ہو تو اسے منھ سے پھونک پھونک کر ٹھنڈا نہیں کرنا چاہیے۔ پھونکنے سے منھ کے جراثیم اس چیز میں پہنچ جاتے ہیں اور نقصان پہنچاتے ہیں۔ بزرگوں سے تو یہ بات سنی ہی تھی، کتاب میں یہ بات پڑھنے کے بعد تو وہ بہت احتیاط کرنے لگا، دوستوں اور بھائی بہنوں کو بھی منھ سے پھونک کر کھانا یا چاے ٹھنڈی کرنے سے روکنے لگا۔

ایک دن وہ نمکو لینے بیکری گیا۔ بیکری والا جس کاغذ کی تھیلی میں نمکو ڈال کر دینا چاہتا تھا، وہ ہاتھ سے نہ کھلی تو اس نے منھ کے قریب تھیلی لاکر زور زور سے پھونکیں ماریں، تھیلی کا منھ کھل گیا۔

سلمان یہ دیکھ رہا تھا، جب بیکری والے نے نمکو تھیلی میں ڈالنی چاہی تو سلمان چیخ کر بولا: ''بس بس ہاتھ روکو۔ منھ سے پھونک کر تھیلی نہیں کھولتے، تمھارے منھ کے سارے جراثیم تھیلی میں چلے گئے، وہ گندی ہوگئی، دوسری تھیلی ہاتھ سے کھولو اور مجھے اس میں نمکو ڈال کر دو۔''

سلمان نے اس سختی سے یہ بات کہی کہ بیکری والے کو غصہ آ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ ہمارا منھ گندہ تھوڑی ہے، نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ تھیلی کو ہاتھ سے کھولوں۔ سلمان نے اپنی بات دہرائی تو بیکری والا بھی اپنی بات پر اَڑ گیا۔ اس نے کہا کہ لینا ہے تو لو ورنہ جاؤ، میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔ سلمان خالی ہاتھ گھر آ گیا۔ جب اس کے ابو کو قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے سلمان سے کہا کہ بات تو تمھاری بالکل صحیح ہے، لیکن تمھارے کہنے کا انداز اور تمھارے الفاظ سخت تھے، اس لیے وہ اپنی بات پر اَڑ گیا۔ بات کرنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔ اچھی بات کو اچھے الفاظ اور اچھے لہجے میں ہی کہنا چاہیے۔ اسی کو اخلاق اور تہذیب کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں جہالت

باقی ہے، ابھی تمام لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ ان کو بہت سی باتیں نہیں معلوم، اسی لیے وہ بیمار رہتے ہیں اور ان کو نرمی سے کام لینا نہیں آتا۔ بکری والا بھی انھی لوگوں میں سے ہے۔ اگر تم اس کو میٹھی زبان میں منھ سے پھونکیں مارنے کے نقصانات بتاتے اور نرمی سے کہتے کہ تمھارا منھ گندہ نہیں ہے، لیکن جراثیم ہر ایک انسان کے جسم میں ہوتے ہیں، جو دوسروں کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ اس لیے ذرا سی تکلیف اُٹھا کر کاغذ کی تھیلی کا منھ ہاتھ سے کھول لیا کرو تو وہ شاید بات مان جاتا۔ بکری والے نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ بھی صحیح نہ تھا۔ نہ انسان کی حیثیت سے اور نہ تاجر کی حیثیت سے، اس انداز سے بات کرنے سے اس کا بھی نقصان ہوا، مگر اس کی ناسمجھی اور اخلاقی کم زوری نے اس کو یہ نقصان برداشت کرنے پر مجبور کیا۔

اپنے ابو کی یہ باتیں سلمان کی سمجھ میں آگئیں۔ وہ شام کو پھر بکری والے کے پاس گیا اور اس کو اخلاق و محبت سے یہ ساری باتیں سمجھاتا رہا۔ شروع شروع میں بکری والا الجھنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن سلمان کی باتوں کی مٹھاس نے اس کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ آخر وہ سلمان کی بات مان گیا۔

سلمان خوش خوش گھر واپس آیا۔ اس نے آج ایک اخلاقی سبق سیکھا تھا اور صحت کا ایک اہم اصول ایک کم سمجھ انسان کو بھی سکھا دیا تھا۔

☆☆☆

نونہال اپنا پتا صاف صاف لکھا کریں

اپنے خط میں، جوابات میں، تحریروں میں اپنا پتا صاف بہت صاف لکھا کریں۔ پتا صاف نہ ہونے کی وجہ سے بعض وقت ہمارا جواب یا انعام بھی نونہالوں تک نہیں پہنچتا۔ نام پتا صاف لکھا ہونا ضروری ہے۔ ☆

میں تمھارا دانت ہوں

شہید حکیم محمد سعید

نونہالو! میں دانت ہوں۔ دانت انسان کے لیے بڑی نعمت ہیں۔ ہماری غذا کی اکثر چیزیں سخت بھی ہوتی ہیں اور نرم بھی۔ سخت غذائیں صرف اس صورت میں ہضم ہوسکتی ہیں کہ انھیں چبا کر، توڑ کر باریک کیا جائے۔ دانت غذا کو توڑتے، کچلتے اور پیستے ہیں۔

چھٹے مہینے سے لے کر ڈیڑھ سال تک بچوں کے دودھ والے دانت نکل آتے ہیں۔ یہ تعداد میں ۲۰ ہوتے ہیں۔ پھر چھے سال کی عمر میں تمام دودھ والے دانت گر جاتے ہیں۔ ان کی جگہ مستقل دانت نکلتے ہیں۔ مستقل دانت ۲۰ یا ۲۲ برس کی عمر تک پورے ہوجاتے ہیں۔ یہ تعداد میں ۳۲ ہوتے ہیں۔

نونہالو! تمھارے منھ میں دو جبڑے ہوتے ہیں، ایک اوپر اور ایک نیچے۔ دونوں میں ۱۶-۱۶ دانت ہوتے ہیں۔ ان دانتوں کی ترتیب کچھ یوں ہے، جبڑے کے بالکل اندر سے شروع کرتے ہوئے:

تین داڑھیں دائیں طرف اور تین داڑھیں بائیں طرف ہوتی ہیں۔ داڑھ کا مطلب غذا کو پیسنے والا دانت ہے (۶ داڑھیں)

ان کے بعد دائیں اور بائیں طرف دو دو کچلیاں ہوتی ہیں۔ یہ غذا کو چباتی ہیں (۴ کچلیاں)

ان کے بعد دائیں اور بائیں طرف ایک ایک نوکیلا دانت لگا رہتا ہے۔ (۲ نوکیلے دانت)

جبڑے کے درمیان سامنے کو چار کاٹنے والے دانت ہوتے ہیں۔

ایک جبڑے کے ۱۶ - دانت ہوئے۔ اسی طرح، اسی ترتیب سے دوسرے جبڑے کے بھی سولہ دانت ہوتے ہیں۔

دانت کا وہ حصہ جو مسوڑوں کے اندر جبڑے میں گڑا ہوتا ہے، جڑ کہلاتا ہے اور اس کا دوسرا سرا جو کاٹتا یا پیستا ہے تاج (کراؤن) کہلاتا ہے۔ دانت کے اندر گودا ہوتا ہے اور اس کے باہر ایک سخت پرت

دانت

Deciduous (baby) and permanent teeth

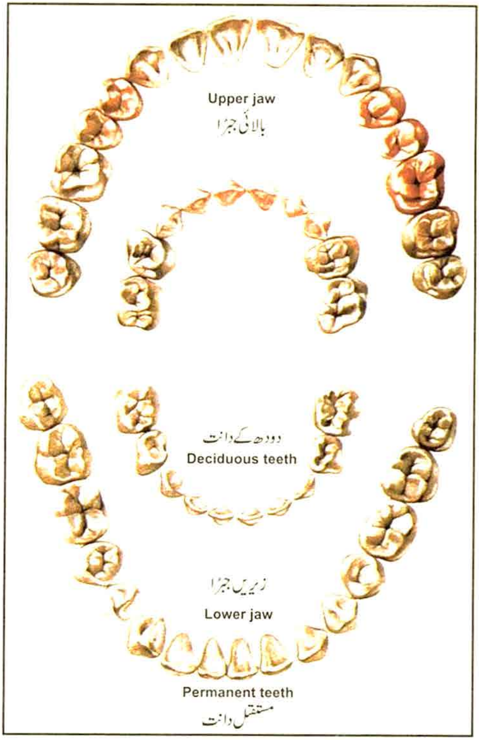

ہوتی ہے اور پھر اس سے بھی باہر ایک اور سخت اور چمک دار پرت ہوتی ہے، جس کو اردو میں مینا اور انگریزی میں اینامل (ENAMEL) کہتے ہیں۔

داڑھوں میں سے اندر کی طرف تیسری داڑھوں کو عقل داڑھ کہتے ہیں، دو اوپر کے جبڑے میں دائیں اور بائیں طرف اور دو نچلے جبڑے میں۔ یہ کل چار ہوتی ہیں۔ یہ ۲۰-۲۱ برس کی عمر میں نکلتی ہیں۔ عقل داڑھ کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کو اس وقت عقل آتی ہے جب یہ داڑھ نکلتی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ماشاءاللہ آدمی ۲۰-۲۱ برس کا ہوتا ہے، اس لیے اسے عقل مند ہونا چاہیے۔

دانتوں کی خوب صورتی یہ ہے کہ یہ سیدھے ہوں، ٹیڑھے نہ ہوں۔ بہت بڑے نہ ہوں، ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ ہوں۔ ان کے مسوڑھے تندرست اور سخت ہوں، ان سے خون نہ نکلتا ہو۔ دانتوں پر دوسرے رنگ کا دھبا نہ ہو۔ سگرٹ نوشی، چائے، فلورک ایسڈ، اینٹی بایوٹک دواؤں اور فولاد کے

استعمال سے دانتوں کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔

نونہالو! اچھا یہ بتاؤ کہ دانت گل سڑ کیوں جاتے ہیں، یعنی بوسیدہ کیوں ہوتے ہیں؟

دانت اس لیے بوسیدہ ہوتے ہیں کہ تم ہر وقت وہ چیزیں کھاتے ہو جن میں شکر ہوتی ہے۔ شکر کھانے کے بعد دانتوں پر ایک ہلکے تیزاب کی تہ چڑھ جاتی ہے، جس میں دانتوں کو خستہ کرنے والے بیکٹیریا پلتے ہیں۔ یہ جراثیم دانتوں کے مینا کو کھا جاتے ہیں، حال آنکہ مینا انتہائی سخت چیز ہوتی ہے۔ تم نے جراثیم کا راستہ ہموار کر دیا۔ ان کے مزے آ گئے۔

دانتوں کی جڑوں میں خون کی نسیں اور اعصاب ہوتے ہیں، جن کا تعلق نظامِ اعصاب سے ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی جڑ ننگی ہو جاتی ہے اور خون کی نس یا کوئی عصب دب جاتا ہے تو دانت میں درد ہوتا ہے۔

اگر دانت میں خلا پیدا ہو جائے تو بھرا جا سکتا ہے، لیکن مسوڑھے خراب ہو جائیں تو پھر دانتوں کا کوئی شافی علاج نہیں۔ مسوڑھے دانتوں کو جکڑے رہتے ہیں۔ وہ ڈھیلے ہوتے ہیں تو دانت ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ بڑھاپے میں ہر تین آدمیوں میں دو کے مسوڑھے اور دانت خراب، نرم اور ڈھیلے ہو جاتے ہیں، یہ جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور پھول بھی جاتے ہیں۔ ان سے اکثر خون نکلتا رہتا ہے۔ اسی عمل کے ساتھ دانتوں کی جڑیں کم زور ہو جاتی ہیں۔ بیکٹیریا اندر پہنچ جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں کسی ماہر دنداں سے علاج کرانا چاہیے، لیکن میں تمھیں ایک منصوبہ بتاتا ہوں۔ اب تم اگر اس پر بلا ناغہ عمل شروع کر دو تو پھر چالیس یا پچاس سال بعد تمھیں دانتوں اور مسوڑھوں کی اتنی زیادہ تکلیف نہیں ہوگی۔

تم ہر روز صبح سویرے پیلو کی جڑ یا نیم کی شاخ یا کیکر کی شاخ کی مسواک سے دانتوں کو صاف کرو۔ اس سے دانت اور مسوڑھے دونوں مضبوط ہوں گے، منھ کی بدبو بھی رفع ہوگی۔ اسی طرح رات کو سونے سے پہلے بھی مسواک کر لو۔

محنت اور تلاش کرنے سے یہ مسواک مل جاتی ہے، لیکن اگر برش سے دانتوں کو صاف کرنا ہے تو برش کو نرم (سوفٹ) ہونا چاہیے، پھر برش کرنے کا بھی ایک محفوظ طریقہ یہ ہے کہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر برش چلایا جائے تاکہ مسوڑھے برش کی سخت رگڑ سے زخمی نہ ہو پائیں۔

دانت اور ٹوتھ برش

دوسرے شکر کا استعمال کم کرو۔ ہر کھانے کے بعد ہاتھ کی انگلی سے دانت مل کر صاف کرو، تاکہ اس پر جمی ہوئی غذا نکل جائے۔ جن کے دانتوں میں فاصلہ ہو، وہ کھانا کھانے کے بعد نیم کے تنکے سے دانتوں میں خلال کریں۔ بہت زیادہ سرد پانی، برف اور تُرش چیزوں سے پرہیز کرو۔ اگر گھر میں کسی سادہ منجن کے استعمال کا رواج ہے تو اسے بھی استعمال کرتے رہو۔

دانتوں کو مناسب غذا پہنچانے کے لیے سبزیوں کا استعمال بہت زیادہ کرو۔ سبزیوں میں کیلسیئم ہوتا ہے۔ اس سے دانتوں کو غذا ملتی ہے۔

جو لوگ ٹوتھ برش استعمال کرتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ اوپر دی ہوئی ہدایت کا خیال رکھیں۔ بہترین مسواک کیکر اور نیم کی شاخ یا پیلو کی جڑ ہے۔

داڑھ

Cross Section of a molar

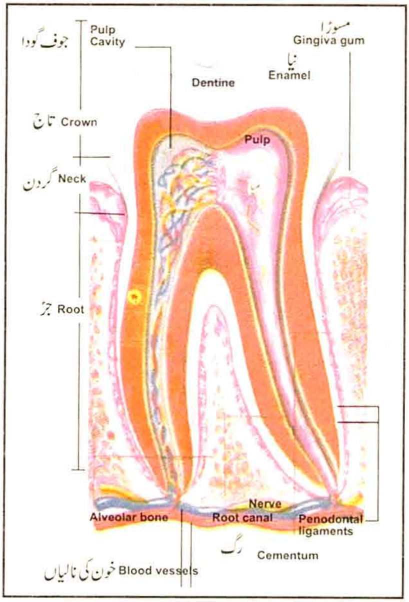

★ ★ ★

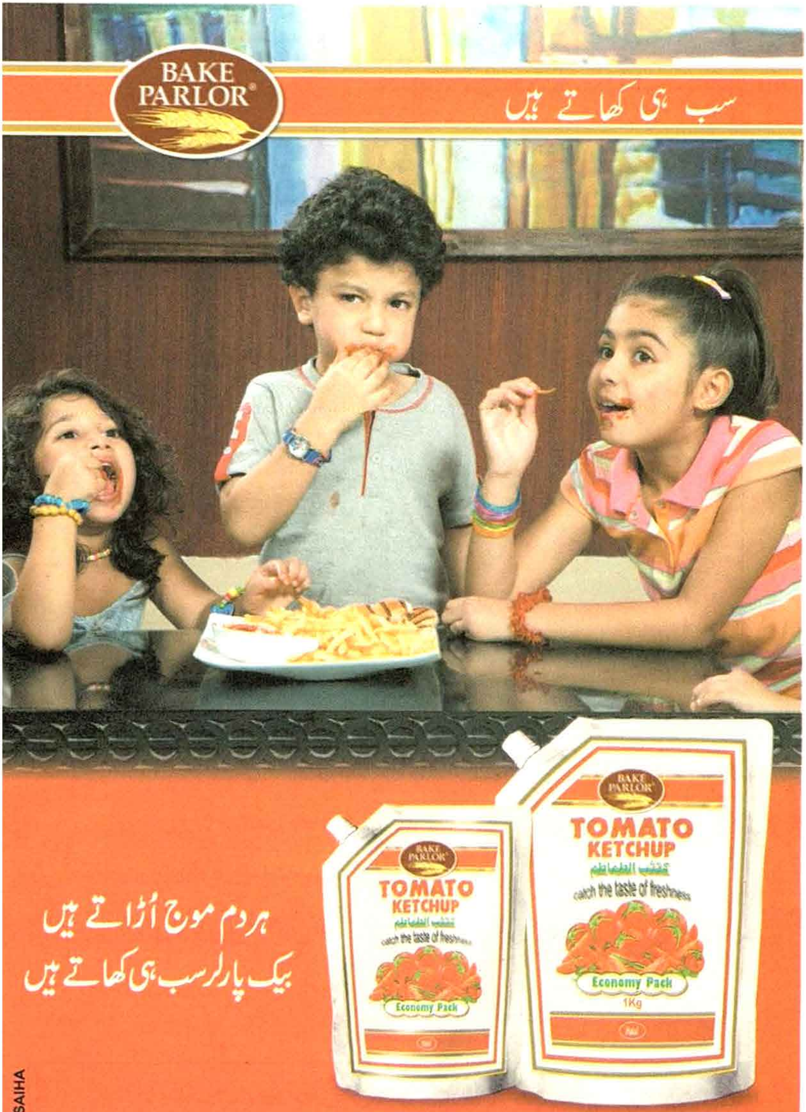
BAKE PARLOR®
سب ہی کھاتے ہیں
ہر دم موج اُڑاتے ہیں
بیک پارلر سب ہی کھاتے ہیں
BAKE PARLOR
TOMATO KETCHUP
catch the taste of freshness
Economy Pack
BAKE PARLOR
TOMATO KETCHUP
catch the taste of freshness
Economy Pack
1Kg
SAIHA

گوما اور گورا

مناظر صدیقی

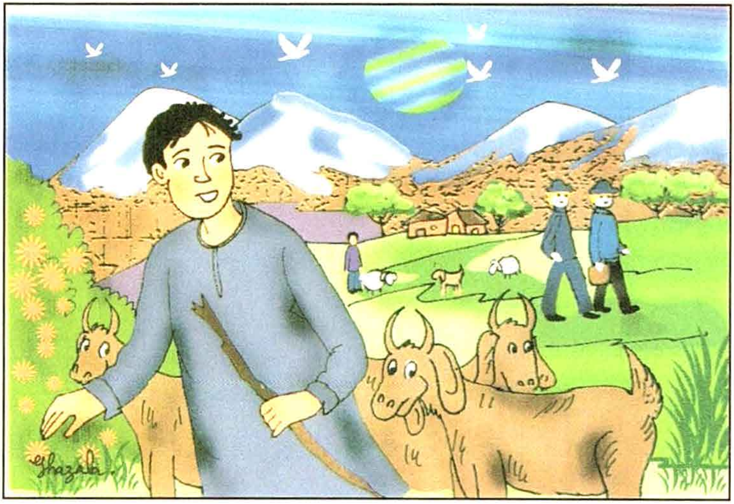

گوما ایک چرواہا تھا۔ ہندستان کے شہر شملہ کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں اپنے دادا کے ساتھ رہتا تھا۔ ابھی اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بس تیرہ یا چودہ سال ہوگی۔ شملہ کے چاروں طرف بڑے اونچے پہاڑ ہیں۔ گوما اپنی بکریاں لیے اِنھی پہاڑوں میں گھومتا رہتا۔ اس نے ان پہاڑوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا، یہاں تک کہ اس نے شملہ شہر بھی نہیں دیکھا تھا۔ حال آنکہ یہ شہر اس کے گاؤں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہاں، اسے پہاڑوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتا کہ ان پہاڑوں کے علاوہ بھی دنیا میں بہت کچھ ہوگا۔ اسے یہ سب چیزیں دیکھنی چاہییں، لیکن بے چارے گوما کو اپنی بکریاں چرانے سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں صرف دو بار گوروں کو دیکھا تھا۔ اس وقت ہندستان پر انھی گوروں یعنی انگریزوں کی حکومت

تھی۔ غریب دیہاتی گوروں کو دور سے ہی دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ وہ گوروں سے بہت ڈرتے تھے۔ گوما نے بھی جب اپنے گاؤں کے بالکل قریب بہنے والے ایک پہاڑی نالے کے کنارے گوروں کو دیکھا تو اس کا جی چاہا کہ وہ انھیں قریب سے دیکھے، لیکن ڈرتا تھا کہ کہیں گورے ناراض نہ ہو جائیں۔ اس کے دادا نے اسے یہی بتایا تھا کہ گورے بڑی جلدی ناراض ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ خواہش کے باوجود ان گوروں کے قریب نہیں گیا۔ حال آنکہ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ دو تین گوما کی عمر کے لڑکے بھی تھے۔ یہ سب آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہوئے نالے کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ گوما کو دور سے ان کی آواز سنائی نہیں دی، لیکن وہ سب لوگ جس قسم کی حرکتیں کر رہے تھے، اس سے گوما نے یہی سمجھا کہ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ گوما بے چارہ سوچتا ہی رہ گیا کہ وہ لوگ اس کے قریب سے گزریں تو وہ بھی انھیں دیکھے، لیکن دونوں بار یہ گورے تھوڑی تھوڑی دیر پہاڑی نالے کے کنارے ٹہلنے کے بعد اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شملہ کی طرف چلے گئے۔

ایک رات گوما اپنی جھونپڑی کے باہر بیٹھا تھا۔ اس کا دادا جھونپڑی کے اندر سو رہا تھا۔ اچانک اسے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ گوما اپنی جگہ سے اُٹھ کر میدان میں آ گیا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا کہ رات کے وقت اس علاقے میں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز کیوں سنائی دے رہی ہے۔ اس سے پہلے تو کوئی سوار رات کے وقت اس کے گاؤں نہیں آیا۔ کیا آج کوئی انوکھی بات ہونے والی ہے۔ تھوری دیر بعد ہی ایک سوار اس کے قریب آ کر رک گیا۔ دیکھنے میں تو یہ سوار کوئی فوجی گورا معلوم ہوتا تھا، لیکن اس نے فوجی وردی کے بجائے عام سے کپڑے پہن رکھے تھے، جیسے گوما نے نالے کے قریب ٹہلنے والے گوروں کو پہنے دیکھے تھے۔

''اے لڑکے! کیا تم یہیں رہتے ہو؟'' گورے سوار نے گوما سے پوچھا۔ گوما نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور جھک کر اسے سلام کیا، جس کا مطلب یہی تھا کہ ہاں، میں یہیں رہتا ہوں۔

پھر سوار نے پوچھا: ''لڑکے! تمھارا نام کیا ہے؟''

''گوما۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''خوب! بہت آسان نام ہے۔ کیا تم شکار میں میرا ساتھ دے سکو گے؟'' گورے نے کہا۔ گورے کے سوال پر گوما کے پیر کانپنے لگے۔ اسے ایک گورے سے بات کرنے کی اتنی خوشی تھی کہ وہ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا، بس اتنا کہہ کر رک گیا: ''شکار پر......؟''

گورے نے کہا: ''ہاں، ہاں شکار پر۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ریچھ نظر آیا ہے۔ میں اسی کا شکار کرنا چاہتا ہوں۔''

ریچھ کا نام سنتے ہی گوما کا چہرہ اُتر گیا۔ اس نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں، جیسے اسے گورے کی بات پر یقین نہ آیا۔

''بولو! کیا ارادہ ہے؟'' گورے نے پھر پوچھا۔ اتنی دیر میں گوما اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا: ''اس ریچھ کا شکار ٹھیک نہیں ہے حضور!''

گورے نے کہا: ''اچھا تو تم ڈر رہے ہو۔ میں اکیلے ہی جاؤں گا۔''

Adarts-NGW/2005(R)

گوما نے بڑے ادب سے کہا: ''لیکن حضور! وہ ریچھ آج باہر نہیں آئے گا۔''

''تمھیں کیسے معلوم؟'' گورے نے پوچھا تو گوما نے اسے بتایا کہ ریچھ دراصل پریوں کا پالتو ریچھ ہے، اس لیے صرف اس وقت رات میں باہر نکلتا ہے جب آسمان پر بادل نہ ہوں اور سات پریاں اس کے ساتھ ہوں۔ گوما کی باتوں پر گورا بڑی زور سے ہنسا اور کہنے لگا: ''یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ تمھیں لوگوں نے خواہ مخواہ ڈرا دیا ہے۔ یہاں لوگوں نے اس ریچھ کے بارے میں جو کہانی مشہور کر رکھی ہے، میں اسے جھوٹی ثابت کر دوں گا۔ میں کل پھر آؤں گا۔ تم اس وقت تک اچھی طرح سوچ لینا۔'' گورے نے کہا اور چلا گیا۔

گوما بڑی دیر تک اسی جگہ کھڑے کھڑے اس انگریز کو جاتے دیکھتا رہا۔ وہ جب نظروں سے اوجھل ہوگیا اور اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز بھی آنا بند ہوگئی تو گوما اپنی جھونپڑی میں لوٹ آیا اور پیال کے بستر پر لیٹ کر اس انگریز کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے بھی اس نے انگریز دیکھے تھے۔ وہ بھی اسی کی طرح گورے تھے، لیکن ان میں سے کسی نے گوما سے بات نہیں کی تھی۔ گوما کے خیال میں یہ انگریز بڑا رحم دل تھا، ورنہ گورے انگریز تو کالے آدمیوں سے بات ہی نہیں کرتے۔ پھر جب گوما کو گورے کا وہ قہقہہ یاد آیا جو اس نے سات پریوں والی بات سن کر لگایا تھا تو گوما پھر رنجیدہ ہوگیا، کیوں کہ گورے انگریز نے قہقہہ لگا کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ گوما بڑی دیر تک اسی انگریز کے بارے میں سوچتے سوچتے سوگیا۔

تیسری رات کو وہی انگریز دوبارہ گوما کے گاؤں میں آیا۔ اس بار بھی گوما اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا، جہاں پہلے دن اس کی انگریز سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس بار انگریز نے آتے ہی گوما سے پوچھا: ''کیوں گوما! تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ تمھیں بہت سارے پیسے دوں گا، اتنے کہ تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ میں اکیلا بھی جا سکتا ہوں، لیکن تمھیں اس لیے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں کہ تم اسی علاقے میں رہتے ہو۔ تمھیں تمام راستے معلوم ہوں گے اور ہم آسانی سے ریچھ تک پہنچ جائیں گے۔ بولو! کیا ارادہ ہے؟''

گوما نے جواب دیا: ''صاحب! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا۔'' گوما کا خیال تھا کہ اس جواب سے انگریز ناراض ہو جائے گا، لیکن وہ بڑا رحم دل آدمی معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ وہ گوما کے جواب میں ناراض ہونے کے بجائے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور گوما سے کہنے لگا: ''آؤ گوما! میرے پاس بیٹھو۔ بڑی اچھی چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیوں ڈر رہے ہو؟''

گوما نے کہا: ''آپ سن کر ہنسیں گے۔ میرا مذاق اُڑائیں گے۔''

گورے نے جواب دیا: ''نہیں! نہ میں ہنسوں گا، نہ تمھارا مذاق اُڑاؤں گا۔''

گوما نے انگریز کی شکل غور سے دیکھی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ گورے نے ٹھیک ہی کہا ہے تو وہ زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ''حضور! بہت چھوٹی سی کہانی ہے۔ بہت دن پہلے کا ذکر ہے، جب آپ لوگ نہیں آئے تھے۔ اس زمانے میں یہاں ہر شخص آزادی سے گھومتا پھرتا تھا۔ انسانوں کی طرح جانور بھی آزاد تھے۔ انھیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس وقت بھی ریچھ کو بہت مقدس سمجھا جاتا تھا۔ ان جانوروں کا ایک سردار بھی ہوتا تھا۔ اسے بھی معلوم تھا کہ ریچھ ایک مقدس جانور ہے۔ پھر بھی وہ ریچھ کو بھلا بیٹھا۔ بے چارہ ریچھ تو صرف پھل، سبزیاں اور شہد کھا کر گزارا کرتا تھا۔ کبھی کسی ستاتا تھا نہ کسی کی جان لیتا تھا، لیکن جب جانوروں کے سردار نے اسے بھلا دیا تو دوسرے جانوروں نے ریچھ کے پھل چُرا چُرا کر کھانے شروع کر دیے۔ بہت سے جانور اس کے دشمن ہو گئے۔ مجبور ہو کر ریچھ نے سردار کے پاس سیرو کے ذریعے سے ایک درخواست بھیجی۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں سیرو نام کا ایک جانور تھا، جو جانوروں کے پیغامات سردار تک پہنچایا کرتا تھا۔ یہ جانور تھوڑا سا کسی ہرنی کی طرح ہوتا تھا۔ اس کے جسم کا کچھ حصہ کسی بکری کی طرح اور کچھ حصہ گدھے کی شکل کا ہوتا تھا۔ سیرو بڑا سیدھا جانور تھا۔ وہ جب ریچھ کا پیغام سردار تک پہنچانے جا رہا تھا تو اسے راستے میں ریچھ کے کئی دشمن مل گئے۔ انھوں نے سیرو کو بہت مارا۔ وہ درد سے چیخنے لگا۔ اسی وقت آسمان سے جگ مگ جگ مگ کرتی سات پریاں اُتریں۔ یہ سب آپس میں بہنیں تھیں۔ انھوں نے دوسرے جانوروں سے سیرو کی جان بچائی اور

ریچھ کا پیغام سردار تک پہنچانے کے بعد سردار سے ریچھ کو مانگ لیا۔ اس وقت سے آج تک پہاڑ پر نظر آنے والے ریچھ کی وہی حفاظت کرتی ہیں۔ کوئی اس ریچھ کو نہیں مار سکتا۔ جو بھی ریچھ کو مارنے جاتا ہے، وہ خود ہی مر جاتا ہے۔''

گوما تو یہ کہانی سنا کر خاموش ہوگیا۔ انگریز دل میں گوما کی کہانی پر خوب ہنسا، لیکن زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ گوما بے چارہ گاؤں کا بھولا بھالا لڑکا ہے۔ خود پڑھا لکھا تو ہے نہیں، بس گاؤں کے لوگوں نے اسے جو کچھ بتایا، اس نے اس پر یقین کرلیا۔ گوما کی سادگی بھولی باتیں اور ادب سے بات کرنے کا طریقہ گورے کو اتنا پسند آیا کہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس لڑکے کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔ ریچھ کا شکار کرنے کے لیے وہ اس طرح جائے گا کہ گوما کو خبر تک نہ ہو۔ اس نے گوما کی طرف دیکھا جو بڑے آرام سے زمین پر بیٹھا ایک پتھر سے اپنا لمبا سا چھرا تیز کر رہا تھا۔ گورے نے گوما سے کہا: ''اچھا گوما! ہم نے تمھاری بات مان لی۔ اب ہم بھی ریچھ کا شکار نہیں کریں گے۔''

انگریز تو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر چلا گیا اور گوما سوچنے لگا کہ کیا واقعی اس گورے نے اس کا کہنا مان لیا ہے؟ اس دن کے بعد سے گوما ہر رات اس انگریز کا انتظار کرتا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ انگریز اتنی آسانی سے اس کی بات مان سکتا ہے۔ اس نے اپنے دادا اور گاؤں دوسرے بزرگوں سے سنا تھا کہ سمندر پار سے آنے والے گورے کبھی اپنے دل کی بات کسی کو نہیں بتاتے۔ کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ اور ہیں۔ جس کام کا ایک مرتبہ ارادہ کرلیں، اسے پورا کرنے کی کوشش ہر حال میں کرتے ہیں۔ چاہے اس کے لیے انھیں کسی کو دھوکا دینا پڑے یا کتنا ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ اسی لیے گوما کو یقین تھا کہ گورا صاحب ضرور واپس آئے گا اور ریچھ کا شکار کرنے کی کوشش کرے گا، چاہے اس کام میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

کئی ہفتے گزرنے کے بعد ایک روز گوما ہمیشہ کی طرح اپنی جھونپڑی کے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی شخص نے سیدھی سڑک پر چلنے کے بجائے کوئی لمبا اور چکر دار راستہ اختیار کیا ہے۔ گوما پہچان گیا کہ یہ یقیناً اس گورے کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ صاحب خود اپنی موت کی طرف جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر اسے بہت افسوس ہوا،

کیوں کہ وہ گورے کو ایک اچھا آدمی سمجھتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ گورے کی جان چلی جائے، لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اس نے گورے کو بہت سمجھایا، لیکن گورا صاحب بھی ضدی تھا۔ گوما کو اپنے دادا کی باتیں یاد آنے لگیں کہ گورے کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ اور ہیں۔ اس گورے نے بھی تو یہی کیا تھا۔ گوما سے تو اس نے کہا تھا کہ وہ ریچھ کا شکار نہیں کرے گا اور اب وہ گوما سے چھپ کر ریچھ کے شکار کے لیے جا رہا ہے، حال آنکہ اس شکار میں اس کی اپنی جان چلی جائے گی۔ گورے کی اس وعدہ خلافی پر گوما کو بہت غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے گورے کے متعلق بالکل فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اسے ان ٹاپوں آواز بھی نہیں سننی چاہیے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے کان بند کر لے تا کہ ٹاپوں کی آواز نہ سن سکے، لیکن اس وقت ٹاپوں کی آواز خود بخود بند ہوگئی۔ گوما تو اسی علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ اسے یہاں کی ایک ایک چیز معلوم تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی گھوڑا اگر چلتے چلتے اچانک رک جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ کسی خطرے میں ہے یا گھوڑے نے کسی درندے کی بُو سونگھ لی ہے، جس کی وجہ سے وہ چلتے چلتے رُک گیا۔ اسی وقت اسے دور سے ایک عجیب سا شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اب تو گوما کو بالکل یقین ہوگیا کہ گورا صاحب خطرے میں ہے۔ اس نے سوچا کہ اس کی جان ضرور بچانی چاہیے۔ وہ ہاتھ میں کُکری لے کر تیزی سے گاؤں کے احاطے نے نکلا۔ کُکری ایک بڑا چھرا ہوتی ہے۔ یہ دستے کے پاس ہی سے ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اوپر سے پتلی اور آخری حصے میں چوڑی ہوتی ہے۔ اس میں صرف ایک ہی دھار ہوتی ہے۔ یہ وزنی بھی بہت ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی ایک فٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔

گورا صاحب گھوڑے سے اُتر چکا تھا اور پیدل ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ گورے کی یہی غلطی تھی۔ اسے گھوڑے سے اُترنا نہیں چاہیے تھا، کیوں کہ اس علاقے میں چیتے بھی تھے۔ گوما جس وقت گورے صاحب کے قریب پہنچا تو اس نے اندھیرے میں دو چمکتی ہوئی سرخ بتیاں دیکھیں۔ گوما ان بتیوں کو پہچان گیا۔ یہ چیتے کی آنکھیں تھیں، جو اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

ایک منٹ تک وہ سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، کیوں کہ گورا صاحب تو ریچھ کو مارنے کے لیے تیار تھا۔ اس کی توجہ چیتے کی طرف تھی ہی نہیں۔ گوما کے مذہب میں ریچھ کو مارنے کی کوشش

کرنا بھی بڑا گناہ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا گورے صاحب کو چیتے کے ہاتھوں مر جانے دے، کیوں کہ اس طرح ریچھ تو بچ جائے گا، یا وہ گورے کی مدد کرے، کیوں کہ کسی بھی جانور کے مقابلے میں انسان کی زندگی بچانا بہت ضروری ہے۔ اسی وقت چیتے نے گورے صاحب پر چھلانگ لگائی۔ گورے کی بھی شاید اسی وقت چیتے پر نظر پڑی تھی۔ اس نے بھی فوراً چیتے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی، لیکن نشانہ چوں کہ جلدی میں باندھا گیا تھا، اس لیے خطا ہو گیا۔ گولی چلتے ہی چیتا گورے پر آ کر گرا۔ اب گورے کا بدن چیتے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ گوما نے فوراً فیصلہ کیا کہ انسان کی جان بچانا بہت ضروری ہے۔ پھر اس کے خیال میں تو گورا شریف آدمی ہے، چناں چہ اس نے گورے کی جان بچانے کا فیصلہ کیا اور اپنی کُلگری لے کر چیتے پر حملہ کر دیا۔ گوما نے چیتے پر اپنی کُلگری سے کئی وار کیے۔ چیتے کو کیا معلوم تھا کہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہے۔ چناں چہ گوما کی کُلگری سے نہ بچ سکا۔ کُلگری سے کئی زخم کھانے کے بعد آخر چیتا غراتا ہوا ایک طرف لڑھک گیا۔ اب گوما نے گورے صاحب کی طرف توجہ دی۔ چیتے کے حملے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، البتہ چیتے کے پنجوں سے صرف گورے کا کوٹ پھٹا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چیتے کی غراہٹ بند ہو گئی تو گوما نے گورے صاحب کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ چیتے کے کان کے پاس پھنسی ہوئی کُلگری نکالی اور گورے صاحب سے کہا: ''آپ نے دیکھ لیا کہ سات پریاں ریچھ کی کس طرح حفاظت کرتی ہیں۔''

گورے صاحب نے گوما کی طرف دیکھا تو سب سے پہلے گوما کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی۔ پھر اس نے گوما سے کہا: ''گوما! میں واپس جا رہا ہوں اور تم سے سچا وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ریچھ کا شکار نہیں کروں گا۔ اب تم چاہو تو میرے ہاں ملازمت کر لو۔ اب میں کبھی شکار نہیں کروں گا۔''

گورے صاحب کا یہ جملہ سن کر گوما کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد گوما بہت دنوں تک اسی انگریز کے ساتھ رہا۔

☆☆☆

فقیر کی صدا

شریف احمد شریف، انڈیا

سڑک پر ایک اندھا جارہا ہے
بہت پُردرد لَے میں گا رہا ہے

وہ لاٹھی کے سہارے چل رہا ہے
سڑک کے اک کنارے چل رہا ہے

کبھی ٹکرا بھی جاتا ہے کسی سے
کبھی گرتا ہے اپنی بے بسی سے

وہ اپنا ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے
وہ گاتا ہے ''فقط اللہ بڑا ہے''

تمھیں آنکھوں کی نعمت دی خدا نے
زمانے بھر کی دولت دی خدا نے

دکھائے تم کو منظر پیارے پیارے
اندھیرا ہے مقدر میں ہمارے

رہے قائم تمھاری شان بابا
کرو مجبور پر احسان بابا

تمھاری، رب نگہبانی کرے گا
ہر اک مشکل میں آسانی کرے گا

بلاعنوان انعامی کہانی

رئیس فاطمہ

پرانے زمانے کی بات ہے۔ایک تھا راجا، بڑا ہی بھلا مانس اور رحم دل۔ وہ رعایا کا بڑا خیال رکھتا تھا۔اس راجا کی ایک رانی تھی، بڑی پیاری اور ہنس مکھ۔رانی بھی راجا کی طرح رحم دل تھی۔ایک بار راجا کے محل میں بہت بڑا جشن منایا جارہا تھا۔راجا اور رانی کی طرف سے رعایا کو تحفے دیے جارہے تھے۔راجا کی ماں یعنی بڑی رانی بھی اس دن بہت خوش تھیں، کیوں کہ ان کا بیٹا اور بہو اپنی رعایا میں بہت مقبول تھے۔ جب جشن ختم ہوا تو بڑی رانی نے اپنی بہو رانی کو پاس بلایا، پیار سے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بولیں: ''مجھے بڑی فکر تھی کہ ہمارے بعد تم دونوں رعایا کا خیال رکھ سکو گے یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری آنکھ بند ہوتے ہی تم لوگ عیش وعشرت میں پڑ جاؤ، اور پڑوسی ملک کی طرح اپنی رعایا پر ظلم کرنے لگو، لیکن آج میں بہت خوش ہوں کہ تم نے اپنے ماں باپ کی نیک اولاد ہونے کا ثبوت دیا ہے۔لوگ جس طرح بڑے راجا صاحب سے پیار کرتے تھے، ویسا ہی وہ تم دونوں سے بھی کرتے ہیں۔ بولو! راج بہو! کیا چاہتی ہو؟ مانگو جو مانگنا ہے۔''

بہو نے راجا کی طرف دیکھا اور بولی: ''بڑی رانی! مجھے نولکھا ہار چاہیے۔''

بڑی رانی اور راجا نے چونک کر رانی کو دیکھا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ نولکھا ہار بہت قیمتی ہوتا ہے۔اس زمانے میں صرف مغل بادشاہ ہی ایسے قیمتی ہار پہنتے تھے یا پھر ان کی ملکائیں۔ چھوٹی موٹی ریاستوں کے راجا ایسا نہیں کر سکتے تھے، لیکن بڑی رانی نے چوں کہ زبان دی تھی، اس لیے انھوں نے اگلے دن جوہری کو بلا کر ایک نولکھا ہار بنانے کا حکم دیا اور یہ بھی تاکید کر دی کہ ہار کے بنانے میں کسی قسم کی کنجوسی نہ برتی جائے۔راجا نے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ ایسا نولکھا ہار ہو جو اس سے پہلے کسی نے نہ دیکھا ہو۔ چند ہی دنوں میں جوہری نے ایسا خوب صورت ہار تیار کر کے دیا، جس میں سونے کے علاوہ ہیرے، موتی، یاقوت، مرجان، زمرد، لاجورد، نیلم اور پکھراج

جیسے قیمتی نگینے لگے ہوئے تھے۔ راجا اور بڑی رانی کو وہ ہار بہت پسند آیا اور رانی تو اسے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوگئی۔ راجا نے جوہری کو ہار کی قیمت کے علاوہ بیش قیمت انعامات بھی دیے۔

رانی اس ہار کو ہر وقت پہنے رہتی اور اس ہار کی بہت حفاظت کرتی تھی۔ ایک دن رانی نے نہاتے وقت اپنا نولکھا ہار بھی کپڑوں کے پاس رکھ دیا۔ رانی جانتی تھی کہ یہاں کوئی نہیں آسکتا، لیکن ہوا یوں کہ کہیں سے ایک چیل اُڑتی ہوئی آئی اور تالاب کے کنارے رکھے ہوئے ہار کو چونچ میں دبا کر لے گئی۔ چیل اس ہار کو لے کر اُڑتی جا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ایک مکان کی چھت پر پڑی، جہاں ایک چوہا مرا پڑا تھا۔ چیل نے ہار کو تو چونچ میں سے چھت پر پھینکا اور چوہے کو لے کر اُڑ گئی۔ ہار چھت پر پڑا رہ گیا۔

رانی جب تالاب سے نکلی تو اپنا ہار غائب پا کر بہت پریشان ہوگئی اور اس نے فوراً جا کر راجا اور بڑی رانی کو بتایا۔ راجا نیک انسان تھا، اس لیے اس نے اپنے کسی بھی ملازم پر شک نہ کیا، بلکہ یہ اعلان کروادیا کہ جو کوئی بھی رانی کا نولکھا ہار لے کر آئے گا، اسے منھ مانگا انعام دیا جائے گا۔

جس مکان کی چھت پر چیل ہار پھینک کر گئی تھی، وہ ایک غریب آدمی مشتاق علی کا گھر تھا، جو بیل گاڑی چلاتا تھا۔ اس کے تین بچے تھے۔ ایک بیٹا احسان اور دو بیٹیاں عائشہ اور حمیدہ۔ مشتاق کی بیوی کچھ کپڑے وغیرہ سی لیا کرتی تھی، جس سے کچھ آمدنی ہو جاتی تھی۔ احسان کو پڑھنے کا بہت شوق تھا، لیکن مکتب بہت دور تھا، اس لیے وہ محلے کے ماسٹر جی سے ہی سبق لے لیا کرتا تھا۔

راجا کے اعلان کو کئی دن گزر گئے، لیکن ہار نہ ملا۔ ایک دن جب بادل گھرے تھے تو احسان کی امی نے اس سے کہا کہ وہ چھت پر جا کر اس کی صفائی کردے۔ احسان اوپر پہنچا تو چمکتے ہوئے ہار کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے جلدی سے وہ ہار اُٹھایا اور جلدی سے نیچے آ کر اپنے ابا اور امی کے پاس پہنچا اور وہ ہار نکال کے ان کے سامنے رکھ کر بولا: ''بابا! یہ ہار اوپر چھت پر پڑا تھا۔''

احسان کی ماں نے جلدی سے وہ ہار اٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور اپنے شوہر سے بولی: ''بس اب ہمارے دلدر دور ہو گئے۔ تم یہ ہار شہر جا کر بیچ آؤ۔ ہم ایک اچھا سا مکان بنا لیں گے اور ہماری بیٹیوں کی شادی بھی اچھی جگہ ہو جائے گی۔ یہ ہار اللہ کی طرف سے غیبی امداد ہے۔''

مشتاق علی نے جھٹ وہ ہار بیوی کے ہاتھ سے لے لیا اور بولا: ''نیک بخت! یہ رانی کا ہار ہے۔ نولکھا ہار، جس کے بارے میں راجا نے اعلان کروایا ہے۔ میں یہ ہار راجا کو دے کر آؤں گا۔''

دونوں بیٹیوں کا منھ بن گیا۔ بڑی بولی: ''ابا! یہ کوئی ہم نے چرایا تھوڑی ہے، یہ تو بس اللہ میاں نے کہیں سے دے دیا۔ ہمیں کیا پتا، یہ چھت پر کب سے پڑا تھا اور کون ڈال گیا؟''

مشتاق نے قطعی لہجے میں کہا: ''نہیں بیٹی! ایسی باتیں نہیں سوچتے، اللہ میاں اس سے ناراض ہوں گے۔ میں یہ ہار ضرور راجا کو دوں گا۔''

اگلے دن مشتاق اپنے بیٹے احسان کے ساتھ راجا کے محل میں پہنچ گیا۔ مشتاق نے پہرے دار کو بتایا کہ وہ رانی کے نولکھا ہار کے متعلق بات کرنے آیا ہے۔ راجا نے فوراً مشتاق کو طلب کر لیا۔ محل میں راج ماتا اور رانی بھی بیٹھی تھیں۔ مشتاق اور احسان نے جا کر راجا کو آداب کیا اور ہار اپنی جیب سے نکال کر راجا کے سامنے رکھ دیا۔ رانی نے جلدی سے بڑھ کر ہار اٹھا کر گلے میں ڈال لیا۔ مشتاق نے ہار ملنے کی پوری کہانی راجا کو سنا دی اور پھر جانے کی اجازت چاہی تو بڑی رانی نے کہا: ''ٹھیرو...... کیا تم انعام لے کر نہیں جاؤ گے؟ بولو، کیا چاہتے ہو؟ بولو...... جو بھی چاہیے، ملے گا۔''

مشتاق سر جھکائے کھڑا ہو گیا اور بولا: ''راج ماتا! میں نے یہ ہار کسی انعام کے لالچ میں آپ کو نہیں دیا، بس یہ تو آپ کی امانت تھی۔''

راجا نے احسان سے پوچھا: ''تم بتاؤ بیٹا! تمھیں کیا چاہیے؟ جو بھی مانگو گے، ملے گا۔

آ ؤ میرے پاس۔''

احسان آہستہ آہستہ چلتا ہوا راجا کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور آہستہ سے بولا: ''مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میں بہت زیادہ پڑھنا چاہتا ہوں۔''

راجا نے مشتاق سے کہا: ''ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ تم انعام لیے بغیر نہیں جا سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ہم دیں، وہ تمھیں پسند نہ آئے، اس لیے تم خود ہی مانگ لو، جو مانگنا ہے۔''

مشتاق ادب سے بولا: ''حضور! ہم جہاں رہتے ہیں، وہ غریبوں کی بستی ہے۔ وہاں کوئی مکتب نہیں ہے، جس میں بچے پڑھ سکیں۔ وہاں کوئی کنواں ہے نہ تالاب، اس لیے ہماری عورتیں اور بچے بہت دور جا کر پینے کا پانی لے کر آتے ہیں۔ آپ وہاں ایک مکتب اور ایک کنواں بنوا دیجیے اور بستی کے تمام لوگوں کے گھر پکے کروا دیجیے۔ بارش میں وہاں سب کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔''

راجا نے حیرانی سے پوچھا: ''اور خود تم اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے کیا مانگتے ہو؟ وہ بھی تو کہو۔''

مشتاق نے ادب سے کہا: ''مکتب کھل جائے گا تو میرا بیٹا بھی پڑھ لے گا۔''

راجا نے حیران ہو کر ماتا اور رانی کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کے چہروں پر بھی تعجب تھا۔

راجا نے کہا: ''ہم تمھاری ہر بات کو پورا کریں گے۔'' اور ملازموں کو حکم دیا: ''مشتاق اور اس کے بیٹے کو آج راج محل میں شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھیرایا جائے۔ ان کے آرام کا خاص خیال رکھا جائے، انھیں اچھا کھانا کھلایا جائے اور کل صبح انھیں بہترین اور قیمتی تحائف کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔ ملازم خاص خود اسے گھر چھوڑنے جائیں گے۔''

اگلے دن جب شاہی ملازم جب مشتاق اور اس کے بیٹے کو چھوڑنے اس کے گھر گئے،

تب محلے والوں پر انکشاف ہوا کہ کل کیا ہوا تھا۔ ہر شخص سوچ رہا تھا کہ کاش ہار اس کی چھت پر گر جاتا۔ کچھ لوگ جلنے بھی لگے، لیکن دو دن بعد جب شاہی حکم نامے کے ذریعے سے انھیں پتا چلا کہ ایک ماہ کے اندر یہاں کنواں کھودا جائے گا اور چھے ماہ کے اندر اندر بستی کے تمام کچے گھر پختہ کر دیے جائیں گے اور ایک مکتب بھی کھول دیا جائے گا تو بستی والوں کی نظر میں مشتاق کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

پھر چھے ماہ بیت گئے۔ اس عرصے میں بستی کے تمام گھر پکے ہو گئے، مکتب کھل گیا، کنواں بھی تیار ہو گیا۔ اب بستی والوں کو پانی اپنے گھروں کے قریب ہی ملنے لگا، میٹھا اور ٹھنڈا پانی۔ مشتاق اب بیل گاڑی نہیں چلاتا تھا۔ راجا نے اس کی ایمان داری اور دیانت داری کی وجہ سے اسے شاہی محل کا نگراں مقرر کر دیا۔ احسان کو راجا نے سب سے اچھے مکتب میں داخل کرا دیا، جن میں امیروں، وزیروں کے بچے پڑھتے تھے۔ دونوں لڑکیوں کی شادیاں راج ماتا نے اچھے خاندان میں کروا دیں۔

اب بستی والوں کی نظر میں مشتاق ایک عظیم انسان تھا، اس لیے انھوں نے اپنی بستی کا نام مشتاق نگر رکھ لیا تھا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۷۹ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- مئی ۲۰۱۰ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

ٹاٹ کی چادر

پروفیسر محمد ظریف خان

رات کو ہونے والی شدید بارش کے سبب آج سردی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ یوں بھی اس پہاڑی گاؤں ''وہالی'' میں مئی جون میں بھی موسم خوش گوار ہی رہتا تھا اور اب تو دسمبر کے ابتدائی دن تھے۔ کچھ روز بعد نو سالہ ہاشم کے اسکول میں ڈھائی ماہ کی سالانہ تعطیلات ہونے والی تھیں۔ سردی اور بارش کے باوجود ہاشم کے والد پائندہ خان اپنی ٹوٹی پھوٹی سائیکل پر سوار ہو کر شہر ایبٹ آباد جا چکے تھے، جو ان کے گاؤں سے کوئی دس میل کے فاصلے پر واقع تھا اور جہاں وہ ایک سرکاری دفتر میں درجہ اول کے قاصد تھے۔ ہاشم گاؤں سے کوئی دو میل کے فاصلے پر واقع ایک بڑے قصبے کے پرائمری اسکول کی پانچویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھا۔ آج وہ شدید ٹھنڈ کی وجہ سے اپنی پھٹی پرانی رضائی میں دبکا پڑا تھا۔ اس کی ماں اور دونوں بڑی بہنیں صبح سویرے ہی بیدار ہو کر گھریلو کاموں میں مصروف ہو چکی تھیں۔ ہاشم صبح ساڑھے آٹھ بجے تک اپنے اسکول پیدل روانہ ہو جاتا تھا۔ سردیوں میں ہاشم کے اسکول کا وقت صبح نو بجے سے تین بجے تک ہوا کرتا تھا، مگر آج آٹھ بج چکے تھے اور وہ بستر چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ اس کی ماں اور دونوں بہنیں اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر تنگ آ چکی تھیں، آخر ہاشم نے رضائی کے اندر ہی سے یہ اعلان کر دیا کہ آج وہ اسکول نہیں جائے گا، کیوں کہ آج سردی بہت زیادہ ہے۔

ماں نے کہا: ''بیٹا! تمھارے پاس سوئٹر بھی تو موجود ہے۔ پھر سردی کی شکایت کیسی؟''

ماں کی بات سن کر ہاشم رضائی ذرا سی ہٹا کر بولا: ''اماں! سوئٹر بہت پرانا ہے، جگہ جگہ سوراخ ہیں۔ ان سوراخوں سے داخل ہونے والی سردی بدن میں اُتر کر ہڈیوں تک اُتر جاتی ہے۔''

اس جواب پر اس کی بھولی بھالی ماں بڑی حیرت کے ساتھ اس کا چہرہ تکنے لگی۔

اسے ۹ برس کے اس ننھے بچے سے جو ابھی پانچویں جماعت میں تھا، اتنے بڑے جواب کی توقع نہ تھی، مگر پھر اسے یاد آیا کہ ہاشم تیسری جماعت ہی سے بچوں کے اچھے اچھے رسالے اور مفید کہانیوں کی کتابیں پڑھتا چلا آ رہا ہے، شاید اسی لیے وہ اتنی خوب صورت باتیں کر سکتا ہے۔ خیر! اس دن تو ہاشم اسکول نہ جا سکا، مگر اگلے روز اس کی ماں نے اپنی پرانی لیکن گرم چادر اسے دے دی تاکہ وہ اسے لپیٹ کر اسکول جا سکے، مگر اب وہ خود سردی سے کانپ رہی تھی۔ پھر اسے یاد آیا کہ ٹوٹی پھوٹی اشیا اور ایندھن کے لیے لکڑیاں، اپلے وغیرہ رکھنے والی کوٹھری میں ٹاٹ کی ایک ڈھائی من آٹے والی خالی بوری پڑی ہے، اس نے کوٹھری سے وہ بوری نکال کر اسے اچھی طرح جھاڑا اور پھر اسے درمیان سے کاٹ ڈالا۔ اس طرح کوئی چار فیٹ اور پانچ فیٹ لمبی چادر سی بن گئی۔ ہاشم کی ماں ٹاٹ کی یہ چادر اوڑھ کر روزمرّہ کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ ہاشم نے جب اسکول سے واپس آ کر اپنی ماں کو ٹاٹ کی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ اس نے ماں سے کہا کہ وہ اپنی گرم چادر واپس لے کر ٹاٹ کی یہ چادر اسے دے دے، مگر ماں اس پر تیار نہ ہوئی۔ ہاشم بہت حساس لڑکا تھا، اسے اس بات نے بہت رنجیدہ کر دیا۔

پانچویں جماعت کے امتحان میں ہاشم ضلع بھر میں اول آیا۔ اسے معقول سرکاری وظیفہ ملا اور میٹرک تک کے لیے اس کی فیس اور ہر قسم کے واجبات معاف کر دیے گئے۔ اسے ایبٹ آباد کے ایک بڑے پبلک اسکول میں داخلہ ملا، جہاں بارھویں جماعت تک تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ سات برس تو جیسے پَر لگا کر اُڑ گئے۔ اب ہاشم پشاور کی انجینئرنگ یونی ورسٹی کا طالب علم تھا۔ اس نے اپنی تعلیم کے دوران میٹرک کے علاوہ انٹر سائنس میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی تھی، اس لیے یونی ورسٹی میں بھی وہ سرکاری خرچ پر تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس نے الیکٹرونک انجینئرنگ میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی اور امتحان کا نتیجہ آتے ہی اسے ایک غیر ملکی کمپنی میں ایک لاکھ روپے ماہوار کی ملازمت مل گئی۔ اب وہ ہاشم نہیں بلکہ انجینئر ہاشم علی خان جدون تھا۔

کمپنی کے اصول کے مطابق ہاشم خان تین ماہ تک عبوری طور پر کام کرتا رہا۔ تین ماہ بعد نہ صرف اسے مستقل کر دیا گیا، بلکہ اس کی تنخواہ میں بیس ہزار روپے ماہوار کا اضافہ بھی ہوا۔ اب وہ کمپنی کے ایک شعبے کا نگراں بھی بن گیا۔ عبوری مدت کی تکمیل اور مستقل ہونے کے بعد اس نے قسطوں پر ایک خوب صورت نئی کار بھی خرید لی تھی۔ اس نے دفتر سے ایک ہفتے کی چھٹی حاصل کی، گھر والوں کے لیے تحفے تحائف خریدے اور پھر اپنی گاڑی میں لدا پھندا اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ گاؤں کے تمام لوگ اسے دیکھنے اور ملاقات کرنے کے لیے آ گئے۔ وہ محبتوں کا دور تھا۔ اس کا کوئی حاسد نہ تھا۔ سب اس کی کام یابی و کامرانی دیکھ کر اور خوش حالی کے بارے میں جان کر اش اش کر رہے تھے۔ رات گئے جب تمام مہمان رخصت ہو گئے تو ہاشم خان نے ماں باپ اور دونوں بہنوں کے لیے بڑے صندوق سے تحائف نکالے۔ سب سے پہلے سونے چاندی کے تاروں سے سجی انتہائی قیمتی اور گرم چادر اس کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے وہ چادر اپنی ماں کے سر پر ڈالی اور پھر ماں کے قدموں میں گر کر پیروں کو چومنے لگا۔ یہ چادر دیکھ کر اس کی ماں کو بارہ، تیرہ برس پرانا واقعہ یاد آ گیا۔ اس نے ہاشم کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور پھر ہچکیوں سے رونے لگی۔ ماں کو روتا دیکھ کر ہاشم، اس کے باپ اور بہنوں کے ضبط کا بندھن بھی ٹوٹ گیا۔ اب وہاں ہر آنکھ اشک بار تھی، مگر یہ نہایت قیمتی اور یادگار خوشی کے آنسو تھے۔ اشکوں کا سیلاب کچھ تھما تو ہاشم نے بہنوں کے لیے خریدے ہوئے زیور اور والد کے لیے انتہائی قیمتی کپڑے کے جوڑے اور جوتے نکال کر ان کے حوالے کیے، پھر اس گھر کی نیم پختہ دیواروں پر ہر طرف خوشی اور سکون رقص کر رہا تھا۔ اس وقت لالٹین کی ہلکی پیلی روشنی بھی کسی قیمتی فانوس کے اُجالے سے کم نہ تھی۔

آج اس بات کو کم و بیش ۲۵ برس بیت چکے ہیں۔ ہاشم خان اب اپنی کمپنی کا جنرل منیجر ہے، جس کا صدر دفتر اسلام آباد کی کئی منزلہ عمارت میں واقع ہے۔ دفتر سے کچھ فاصلے پر اس کی وسیع و عریض اور شان دار کوٹھی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس کے سر پر ماں، باپ کا سایہ

سلامت ہے۔ اس نے دونوں بہنوں کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ اچھے خاندانوں میں کردی ہے، جہاں وہ سکون و چین کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہاشم خان کے بھی تین بچے ہیں۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ اس کا بیٹا اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر الیکٹرونک انجینئرنگ کر چکا ہے اور اب اپنا ذاتی کار بار کر رہا ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی ایم۔ بی۔ اے اور دوسری ایم۔ ایس۔ سی کی طالبہ ہے۔ ہاشم خود بھی نیک تھا، اس کا بیٹا قاسم خان جدون بھی اسی جیسا ثابت ہوا۔ ہاشم کے والدین بھی راحت و آرام کے ساتھ اس کے ساتھ رہتے اور ہمیشہ اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

اور ہاں بھئی! یہ بات بتانا تو میں بھول گیا تھا کہ ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے، مگر اس نے اپنے ماضی کو فراموش نہیں کیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے اپنی ماں کی ٹاٹ کی چادر کو کئی ٹکڑوں میں کٹوا کر ان ٹکڑوں کو سنہری چوکھٹوں میں جڑوا دیا اور اپنی کوٹھی کی خواب گاہوں اور بیٹھک میں آویزاں کر رکھا ہے۔ اس حوالے سے ہم ہاشم کو محمود غزنوی کے غلام ایاز سے تشبیہ دے سکتے ہیں، جو اپنا ماضی یاد رکھنے کے لیے اپنی غلامی کے زمانے کا بوسیدہ لباس سونے کے ایک صندوق میں محفوظ رکھتا اور روزانہ اسے دیکھ دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کرتا تھا۔ ☆

آ رہا ہے! آ رہا ہے! آ رہا ہے!

خاص نمبر

نونہالوں کے خاص رسالے **ہمدرد نونہال** کا خاص نمبر مئی ۲۰۱۰ء کے آخری ہفتے میں شائع ہوگا۔

اور خاص نمبر کے ساتھ ایک عمدہ تحفہ بھی ہوگا

اپنی کاپی ابھی سے محفوظ کرالیجیے

رنگ برنگے پرندے

نسرین شاہین

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں پرندے بھی شامل ہیں۔ رنگ برنگے مختلف اقسام کے یہ پرندے اڑتے ہوئے بے حد خوب صورت لگتے ہیں۔ ہمالیہ کی چوٹیاں ہوں، گھنے اور تاریک جنگل ہوں، پُرشور شہر ہوں یا وسیع ریگستان، پرندے ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

جس طرح پھولوں نے کائنات کے حسن میں اضافہ کیا ہے، دنیا کی سجاوٹ میں حصہ لیا ہے، اسی طرح پرندوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ معصوم اور خوب صورت پرندے ہر بچے اور بڑے کی توجہ اپنی جانب کر لیتے ہیں۔ اونچے اونچے درخت ہرے بھرے پتوں میں اپنی ٹہنیوں پر پرندوں کو گھونسلوں کی جگہ دیتے ہیں، جہاں پرندے خود کو مکمل قدرتی ماحول میں جنگلی جانوروں اور شکاریوں سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ پرندے بھی دل و دماغ رکھتے ہیں۔ ان کے بھی جذبات و احساسات ہوتے ہیں۔ کبھی آپ نے کسی پرندے کو ہاتھ میں پکڑا ہے؟ اس وقت یہ سہم جاتا ہے اور اپنی چمکیلی گول گول آنکھوں سے پکڑنے والے کو دیکھتا ہے، تب اس کا ننھا سا دل خوف سے دھڑک رہا ہوتا ہے اور جیسے ہی اسے چھوڑا جائے تو یہ پُرسکون ہو کر اُڑنے لگتا ہے۔ پرندے خالقِ کائنات کی بڑی خوب صورت اور دل فریب مخلوق ہیں۔

جان داروں میں آبادی کے لحاظ سے پرندے تیسرے نمبر پر ہیں۔ اول نمبر مچھلیوں کا ہے۔ پرندوں کا ارتقاء رینگنے والے جانوروں سے ہوا۔ پرندوں کی خصوصیات ان کے بال و پر ہیں۔ بعض ایسے پرندے بھی ہیں جن کے پر نہیں ہوتے، مثلاً پنگوئن اور بعض ایسے ہیں جن کے پر ہوتے ہیں مگر وہ اُڑ نہیں سکتے، جیسے نیوزی لینڈ کا کیوی اور افریقہ کا شتر مرغ وغیرہ۔

پرندے اُڑتے ہوئے بہت خوب صورت لگتے ہیں۔ یہ اپنے پروں کی مدد سے اُڑتے ہیں۔ پرندوں کی ہڈیاں کھوکھلی ہوتی ہیں، جس سے ان کو اُڑنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کی پرواز کے لیے مختلف پرندوں کے پر مختلف ہوتے ہیں، جیسے طویل پرواز کے لیے مرغابی کے نوکیلے پر۔

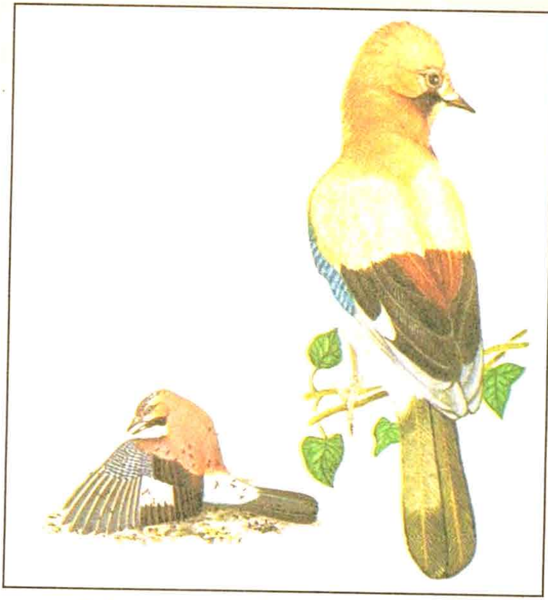

دریائی بگلے کے پر بڑے اور چوڑے ہوتے ہیں، جنھیں آہستہ آہستہ وہ حرکت میں رکھتے ہیں اور پانی میں تیرتے اور اڑتے رہتے ہیں۔ چڑیا جیسے چھوٹے چھوٹے پرندے اپنے چھوٹے گول پروں کی وجہ سے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اترنے میں آسانی محسوس کرتے ہیں۔

پرندوں کے پیروں کی بناوٹ کا تعلق براہِ راست ان کی عادات اور رہنے کی جگہ سے ہوتا ہے، مثلاً درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندوں کے پنجوں کی انگلیاں مڑ جاتی ہیں، جن کی مدد سے وہ درختوں کی شاخوں اور ٹہنیوں کو آسانی سے پکڑ لیتے ہیں۔ پانی میں تیرنے والے پرندوں کے پنجے جھلی سے جڑے ہوتے ہیں اور وہ بڑے آرام اور مزے سے تیرتے رہتے ہیں، جب کہ وہ پرندے جو اپنا زیادہ وقت زمین پر گزارتے ہیں، یعنی اُڑنے کے بجائے زمین پر چلتے پھرتے رہتے ہیں، ان کے پیر مضبوط اور سخت جب کہ پیروں کی انگلیاں موٹی ہوتی ہیں۔ شکاری پرندوں مثلاً اُلو اور باز وغیرہ کے پنجے بہت تیز اور مضبوط ہوتے ہیں، تاکہ وہ اپنے شکار کو گرفت میں لے سکیں۔

پرندوں کی ایک خاص بات ان کی چونچ ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ پرندہ جیسی خوراک کھاتا ہے، ویسی اس کی چونچ ہوتی ہے۔ بعض پرندوں کی چونچیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور بعض کی مختلف ہوتی ہیں،

مثلاً بگلوں کے ایک گروہ کی چونچیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ پرندوں کی چونچیں ان کا وہ ہتھیار ہیں، جن کی مدد سے وہ نہ صرف کھاتے ہیں، بلکہ ضرورت کے وقت لڑائی جھگڑے میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ پرندے اپنی چونچ

کی مدد سے لڑتے ہیں، اس کے علاوہ پرندے مختلف قسم کی خوراک استعمال کرتے ہیں، اسی لیے وہ ایک جیسے یا ایک ہی خاندان کے ہونے کے باوجود الگ الگ اقسام کی چونچوں کے مالک ہوتے ہیں۔ قدرت نے ہر پرندے کی چونچ کی بناوٹ کا تعلق اس بات سے رکھا ہے کہ وہ کیا چیز کھاتا ہے اور کس طرح کھاتا ہے، یعنی پرندوں کے کھانے کے طریقوں کا تعلق براہِ راست ان کی چونچ کی بناوٹ سے ہوتا ہے۔

پرندے بھی انسانوں کی طرح اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ ایک مادہ اپنے بچوں کی اس وقت تک حفاظت کرتی ہے، جب تک وہ بڑے نہ ہو جائیں۔ یہ بچے اپنی ماں کی دیکھ بھال کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہ بہت مجبور ہوتے ہیں۔ ابتدا میں تو ان کے پر بھی نہیں ہوتے، صرف گوشت کے لوتھڑے ہوتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے جسموں پر رواں یعنی بال آنے لگتے ہیں۔ مادہ پہلے خود دانہ کھاتی ہے اور پھر یہ دانہ بچوں کو کھلا دیتی ہے۔ اس طرح غذا نرم ہو کر بچے کو ملتی ہے۔ شاید آپ نے کبھی دیکھا ہو، جب مادہ

گھونسلے میں اپنے بچوں کے پاس آتی ہے تو وہ بہت شور مچاتے ہیں۔ ان کی چونچیں کھلی ہوتی ہیں، اس قدر کہ ماں آسانی سے اپنی چونچ سے غذا ان کے حلق میں منتقل کر دیتی ہے۔ بچوں کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ شور مچانا ختم کر دیتے ہیں اور پھر خاموشی سے اپنی ماں کے پروں میں سما جاتے ہیں۔

پرندے ہجرت بھی کرتے ہیں۔ زمانۂ قدیم سے یہ ہو رہا ہے کہ پرندے خزاں میں اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں اور پھر کچھ عرصے میں دوبارہ واپس آ جاتے ہیں۔ اس کی مثال وسطی امریکا کی ۱۸۰۰ میل کی لمبی پٹی میں اربوں پرندے ایک دوسرے پر گرتے نظر آتے ہیں۔ وہ سب پرندے ہجرت یا نقل مکانی کر رہے ہوتے ہیں۔ ہجرت کے مشاہدے کے لیے پرندوں کی گردن یا پنجے میں مخصوص چھلا ڈال دیا جاتا ہے، جس سے ان کی پہچان رہتی ہے۔ روس، امریکا اور یورپ میں یہ طریقہ رائج ہے۔ ان ممالک میں تقریباً ۶۰۰،۰۰۰ (چھے لاکھ) پرندوں کو چھلا پہنایا جاتا ہے۔ ہر سال ان کے ہجرت والے مقام کا پتا اسی طریقے سے لگایا جاتا ہے۔ ہجرت کے فوراً بعد پرندوں کو بے پناہ خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔

بلاشبہ معصوم وحسین پرندے جو کائنات کا حسن ہیں، درختوں کی سجاوٹ ہیں، آسمان کی رونق ہیں اور ساحلوں کی زندگی ہیں۔ آؤ! ان سے پیار کریں اور انھیں آزاد رکھیں، تاکہ وہ اُڑتے اور گھومتے، پھرتے ہوئے فضاؤں کو حسین بناتے رہیں۔ ★

The Pirate
BIRTHDAY
Party!
The
JUNGLE
BIRTHDAY
Party!
Super Friends
Birthday Party
KFC
Birthday!
PARTY
More Themes
More Excitement
Get to choose from 3 different and exciting themes*
for your child's funfilled Birthday
*Contact the Restaurant Manager for details
Rs.500 will be charged for a Thematic Birthday Party
KFC
www.kfcpakistan.com
111-532-532

کالا گورا

نیما گل۔ حیدر آباد

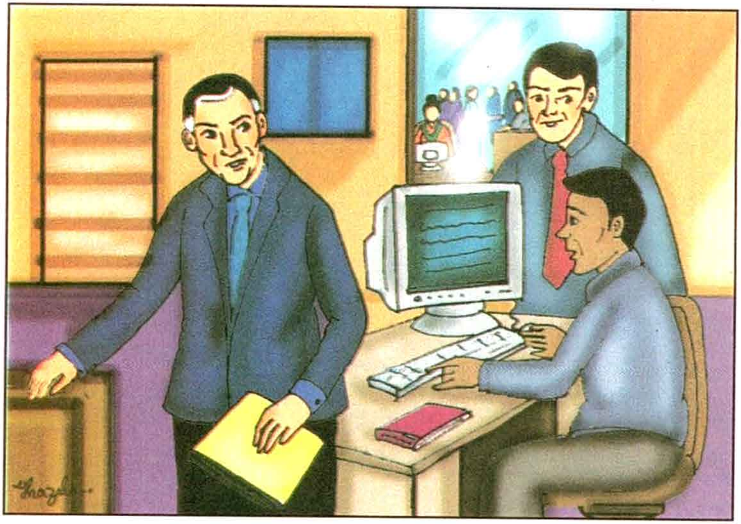

مجھے بچپن ہی سے سانولے لوگوں سے نفرت تھی۔ یہ ایک قدرتی احساس تھا، جسے میں کئی بار چاہنے کے باوجود ختم نہیں کر سکا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ہر رنگ اللہ کا دیا ہوا ہے اور کسی انسان کو اس کی رنگت کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اس کے اخلاق اور عادات سے جانچنا چاہیے، مگر مجھے نہ جانے کیوں سیاہ اور سانولے لوگوں سے نفرت سی تھی اور میں ایسے لوگوں سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ خوب صورت اور سفید رنگت کے لوگوں کو دوست بنانا اور ان سے باتیں کرنا، مجھے اچھا لگتا تھا۔ اسی لیے میں نے اپنے آفس میں چن چن کر ان لوگوں کو ملازمت دی تھی، جو باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب صورت بھی تھے۔

ایک روز میں کمپیوٹر آپریٹر کے کام کے سلسلے میں مختلف امیدواروں سے انٹرویو لے رہا تھا، مگر اب تک مجھے کوئی اہل آدمی نہیں مل سکا تھا۔ تب میرے کیبن میں ایک ایسا نوجوان آیا، جس کا رنگ سیاہ تھا۔

میں نے اپنے ناگوار احساسات کو چھپا کر اس سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ شکریہ کہہ کر بیٹھ گیا۔

میں نے پوچھا: ''آپ کا نام؟''

وہ شایستگی سے بولا: ''جی میرا نام حیدر منظور ہے۔''

میں اس سے ایک کے بعد ایک سوال کرتا گیا اور وہ اعتماد سے میرے ہر سوال کا جواب دیتا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک نہایت باصلاحیت لڑکا تھا، جس کا تعلیمی ریکارڈ بھی شان دار تھا۔ مجھے اس کام کے لیے ایسے ہی ملازم کی تلاش تھی، مگر میں اس کے رنگ کی وجہ سے اسے رکھنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے میں نے اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ میں نے اس کے جانے کے بعد بھی کئی انٹرویو لیے، مگر کوئی بھی امیدوار مجھے متاثر نہ کر سکا۔

''سر! حیدر منظور کو رکھ لیں۔'' میری الجھن دیکھ کر میرے پرسنل سیکرٹری فہد نے جھجکتے ہوئے کہا: ''آج کے تمام امیدواروں میں وہی اس کام کا اہل ہے۔''

میں ناگواری سے بولا: ''ٹھیک ہے، اسے تقرر نامہ بھیج دو۔''

حیدر منظور نے دوسرے روز سے پوری لگن اور محنت سے اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ بلاشبہ نہایت قابل اور عقل مند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بااخلاق اور سادہ انسان بھی تھا، جس میں احسان مندی اور انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ میرا شکر گزار تھا کہ میں نے مشکل حالات میں اس کی مدد کی اور اسے ملازمت دی۔

آفس کے سارے لوگ اس کے کام سے مطمئن تھے، سوائے میرے۔ میں نے اسے مجبوری میں رکھ تو لیا تھا، مگر میرا رویہ اس سے بہت روکھا تھا اور میری کوشش ہوتی تھی کہ وہ میرے سامنے نہ آئے۔

''سر! آپ کا یہ بریف کیس بہت اچھا ہے''۔ میرے سیکرٹری فہد نے ایک روز میرے نئے بریف کیس کی تعریف کی۔ فہد ایک پُراعتماد اور خوب صورت نوجوان تھا، اس لیے وہ مجھے پسند تھا۔

''تمھیں پسند ہے تو تم میرا بریف کیس لے سکتے ہو!'' میں نے فراخ دلی سے کہا۔ تب ہی اس کے پیچھے مجھے حیدر منظور کا چہرہ نظر آیا اور میرے خوش گوار تاثرات ناگواری میں بدل گئے، جسے حیدر منظور بھی محسوس کر لیا تھا۔

''کیا ہے؟'' میں نے حیدر منظور سے پوچھا۔

وہ آہستگی سے بولا: ''سر! آپ نے یہ کاغذات منگوائے تھے۔''

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے، انھیں میری میز پر رکھ دو۔''

وہ کاغذات رکھ کر چلا گیا تو میں نے اپنا بریف کیس خالی کر کے فہد کو دے دیا۔ وہ انکار کرنے لگا، مگر میرے اصرار پر اس نے بریف کیس لے لیا۔

میں نے پرانا گھر بیچ کر جب نیا گھر خریدا تو اسی سلسلے میں اُس روز گھر کے کاغذات لے کر آفس آیا تھا، کیوں کہ مجھے کاغذات کی فوٹو کاپی کرانی تھی۔ فوٹو کاپی کرانے کے بعد آفس سے نکل کر کاغذات گھر لے جانے کے لیے میں نے فائل گاڑی میں رکھی۔ اسی وقت مجھے ایک پرانا دوست نظر آیا تو میں اسے لے کر دوبارہ آفس میں آ گیا۔ اس سے مل کر جب میں نے کار کا دروازہ کھولا تو فائل غائب تھی۔

میں ایک دم پریشان ہوگیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں گاڑی کو لاک کر کے گیا تھا اور صرف دس منٹ بعد واپس آ گیا تھا۔ اتنی دیر میں کون گاڑی کا لاک کھول کر کاغذات کی فائل لے گیا؟

میں نے ایک بار پھر پوری گاڑی میں وہ فائل تلاش کی۔ گاڑی کے نیچے اور چاروں طرف اچھی طرح دیکھا، مگر فائل نہیں ملی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں آفس میں چلا گیا۔

میرے ملازم ابھی گئے نہیں تھے، تاہم جانے والے تھے۔ میں نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا: ''آپ میں سے کوئی بھی خود کو اور اپنے سامان کو چیک کروائے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا، کیوں کہ میرے انتہائی اہم کاغذات چوری ہو گئے ہیں اور سوائے آفس والوں کے کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کتنے اہم کاغذات ہیں۔ کسی عام چور کو ان کاغذات سے دل چسپی نہیں ہو سکتی۔ یقیناً آپ میں سے کچھ افراد کو یہ بات بری لگے گی، مگر چور کو پکڑنے کے لیے یہ ضروری ہے۔''

کارکنان نے مجھ سے اتفاق کیا اور بہ خوشی تلاشی دینے پر راضی ہو گئے۔ اسی وقت پریشان صورت لیے حیدر منظور میرے پاس آیا اور بولا: ''سر! پلیز مجھے جانے دیں۔ گھر میں میری ماں اکیلی ہوتی ہیں اور انھیں میرے دیر سے آنے پر کافی فکر ہوتی ہے۔''

حیدر کی بات سن کر میں بھڑ گیا۔ ایک تو اس سے نفرت کا فطری جذبہ شدت کے ساتھ ابھر آیا تھا، دوسرے قیمتی کاغذات کی گمشدگی نے میرا دماغ ماؤف کر دیا اور میں آپے سے باہر

ہو گیا' پھر جو منہ میں آیا' اسے سناتا گیا، حتیٰ کہ میں نے اسے کالا چور قرار دیا اور اس شک کا کھلم کھلا اظہار کیا کہ اس کے سوا میرے آفس میں کوئی چور نہیں ہو سکتا اور اگر میرے کاغذات نہیں ملے تو میں پولیس کی مدد لینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔

شدتِ جذبات سے میری آواز پھٹنے کو تھی۔ پھر میرا پرسنل سیکرٹری آگے بڑھا اور اس نے مجھے پانی کا گلاس پیش کیا۔ میں ایک سانس میں سارا پانی غٹا غٹ پی گیا' تب میرے اعصاب کسی حد تک پُرسکون ہو گئے۔ حیدر پھٹی پھٹی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔ مجھے یوں لگا' جیسے وہ صدمے کی شدت سے کہیں گر نہ پڑے۔ میں اس کی حالت دیکھ کر قدرے متوازن لہجے میں بولا: ''دیکھیے مسٹر حیدر! گھر جانے کی جلدی صرف آپ ہی کو نہیں' سب کو ہے' مگر میں مجبور ہوں۔''

حیدر آہستہ سے بولا: ''آپ گارڈ سے کہیں کہ پہلے میری تلاشی لے لے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے گارڈ کو اشارہ کیا اور گارڈ نے اچھی طرح اس کی فائلوں کی تلاشی لے کر اسے جانے دیا۔ یہی نہیں، ایک کے بعد ایک کر کے سب ملازم تلاشی دے کر چلے گئے، مگر جائداد کے کاغذات نہ مل سکے۔ مجھے فکر اس بات کی تھی کہ ان کاغذات کے ذریعے سے کوئی بھی میرے گھر کو اپنے نام کروا سکتا ہے۔ میں اس صورت میں سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

کاغذات کی گمشدگی کو دوسرا دن تھا۔ میں آفس میں اپنی فکر میں گم بیٹھا تھا کہ اجازت لے کر حیدر منظور کیبن میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں میرا بریف کیس تھا۔ وہ بولا: ''سر! یہ آپ کا بریف کیس پرانی فائلوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔'' اس نے بریف کیس میز پر رکھ دیا۔

''میرا بریف کیس''! میں نے حیرت سے کہتے ہوئے بریف کیس کھولا تو اس میں میری جائداد کے کاغذات کی فائل نظر آئی۔ کاغذات پورے تھے' مگر یہ اس بریف کیس میں کیسے چلے گئے؟ پھر میرے ذہن میں ایک دھماکا ہوا اور ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔

یہ وہی بریف کیس تھا' جو میں نے فہد کو دیا تھا۔ کاغذات فہد نے کار سے چوری کیے تھے اور اس خیال سے کہ کہیں میں اسے دیکھ نہ لوں، وہ کاغذات کی فائل لے کر واپس آفس آ گیا کہ میں چلا جاؤں تو وہ ان کاغذات کو لے جا سکے، مگر میرے واپس آنے اور تلاشی لینے کے حکم پر اس نے بوکھلا کر فائل کو بریف کیس میں رکھ کر پرانی فائلوں کے نیچے چھپا دیا۔ اس کے بعد دوسرے دن تک اسے یہ بریف کیس نکالنے کا موقع نہ مل سکا اور پھر اتفاق سے حیدر منظور نے بریف کیس دیکھ لیا۔

میں نے فہد کو پولیس کے حوالے کر دیا اور اس نے اقرار جرم بھی کر لیا۔

اس دن کے بعد سے میں نے کالے گورے میں فرق کرنا چھوڑ دیا' کیوں کہ مجھے پتا چل گیا تھا کہ انسان کی پہچان اس کی رنگت سے نہیں' بلکہ اس کے اخلاق سے ہوتی ہے اور حیدر منظور اب میرا اسیکرٹری ہے۔ میں نے اس سے اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگ لی ہے اس کے اعلا ظرف اور اس کے کام کی بنا پر مجھے اس پر فخر ہے' کیوں کہ حیدر منظور نہ ہوتا تو میں لاعلمی، تنگ نظری اور جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا رہتا۔ ☆

شیطان کو ووٹ

برطانیہ کے ایک سابق وزیر اعظم ڈزرائلی کا واقعہ ہے۔ انتخابات ہو رہے تھے۔ وہ اپنے حلقے کے ایک کسان ووٹر کے پاس گئے اور اسے اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اتفاق سے کسان کا تعلق ان کی مخالف جماعت سے تھا۔ اس نے بھنا کے کہا:

''جناب! میں تو شیطان کو ووٹ دوں گا۔''

''ضرور۔'' ڈزرائلی نے مسکرا کر برجستہ کہا: ''میں صرف یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا پسندیدہ امیدوار میرے مقابلے پر نہ آئے تو آپ مجھے یاد رکھیے گا۔''

معلوماتِ پاکستان

مرتبہ: سعید عبدالخالق بھٹہ

۱۔ برطانوی وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندستان اور پاکستان کی آزادی کے منصوبے کا اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء کو کیا تھا۔

۲۔ مزارِ قائد کی چھت میں لگا ہوا خوب صورت فانوس عوامی جمہوریہ چین کے وزیرِ اعظم چو این لائی نے بطور تحفہ بھیجا۔

۳۔ پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین تھے۔

۴۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان مسلم لیگ کے صدر کا عہدہ چودھری خلیق الزماں نے سنبھالا۔

۵۔ سپارکو (پاکستان اسپیس اینڈ اپر اٹیموسفیئر ریسرچ کمیشن) کا قیام ۱۹۶۱ء کو عمل میں آیا۔

۶۔ پاکستان کے شہر لاہور کے تاریخی دروازوں کی تعداد ۱۳ تھی۔

۷۔ پاکستان کے قومی پھول ''چنبیلی'' کا دوسرا نام ''گلِ یاسمین'' ہے۔

۸۔ قائد اعظم نے اپنی زندگی کے آخری ایام زیارت (بلوچستان) میں گزارے۔

۹۔ رسال پور میں فلائنگ ٹریننگ اسکول کا قیام ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو عمل میں آیا۔

۱۰۔ پاکستان میں فولاد کا سب سے بڑا کارخانہ کراچی میں ہے۔

۱۱۔ تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنما مولانا محمد علی جوہر کی نمازِ جنازہ مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی نے پڑھائی تھی۔

۱۲۔ کراچی میں ساحل سمندر کے قریب واقع خوب صورت ''باغ قائد اعظم'' کا افتتاح ۲۴ دسمبر ۲۰۰۰ء کو ہوا۔

۱۳۔ خوشبو، صد برگ، خود کلامی اور کفِ آئینہ نامور شاعرہ پروین شاکر کے شعری مجموعے ہیں۔

۱۴۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی حیات و خدمات پر مختصر جامع کتاب ''جوہر قابل'' کے مصنف جناب مسعود احمد برکاتی ہیں۔

۱۵۔ صدر پاکستان جناب غلام اسحاق خاں نے ۳ جون ۱۹۹۱ء کو پاکستان کی ہمدرد یونی ورسٹی، کراچی کا چارٹر عطا کیا۔

۱۶۔ مشہور بزرگ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کا مزار ملتان میں ہے۔

۱۷۔ مشہور صوفی شاعر سچل سرمستؒ کا اصل نام عبدالوہاب ہے۔

۱۸۔ مشہور سماجی خاتون اور ہمدرد فاؤنڈیشن کی صدر محترمہ سعدیہ راشد کی دادی محترمہ کا نام رابعہ ہندی/ رابعہ بیگم ہے۔

۱۹۔ مشہور کتاب ''بے تیغ سپاہی'' تحریکِ پاکستان کے رہنما نواب صدیق علی نے لکھی۔

۲۰۔ ۱۴ جنوری ۲۰۰۱ء کو ممتاز شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے محکمۂ ڈاک نے ۲ رُپے مالیت کا یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔

۲۱۔ پاکستان کے شہر ساہیوال کا پرانا نام ''منٹگمری'' تھا۔

۲۲۔ نامور ادیب اور محقق جناب پریشان خٹک کا انتقال ۱۷- اپریل ۲۰۰۹ء کو ہوا۔

۲۳۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا اصل نام محمد مسعودالدین ہے۔

۲۴۔ مشہور تفریحی مقام ''دامنِ کوہ'' اور ''شکر پڑیاں'' پاکستان کے شہر اسلام آباد میں واقع ہیں۔

۲۵۔ ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء پاکستان کی وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو تھیں۔

۲۶۔ جنوری ۱۹۷۴ء کو ''عباسی شہید اسپتال کراچی'' کا افتتاح جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کیا۔

۲۷۔ پاکستان کے پہلے کوہ پیما کا نام کیپٹن راجا جاوید اختر ہے، جنھیں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ۱۹۶۰ء میں صدارتی تمغا عطا کیا۔

۲۸۔ اسکوائش کے نامور کھلاڑی طورسم خان، جہانگیر خان اور حسن خان، روشن خان کے بیٹے ہیں۔

۲۹۔حوالدار لالک جان کو اعلاترین فوجی اعزاز ''نشانِ حیدر'' ۱۴۔اگست ۱۹۹۹ء میں دیا گیا۔

۳۰۔۱۴۔اگست ۱۹۸۴ء کو حکومت پاکستان نے نامور شاعر جناب رئیس امروہوی کو ان کی خدمات کے اعتراف میں ''ستارۂ امتیاز'' کا ایوارڈ عطا کیا۔

۳۱۔پاکستان کے سب سے لمبے آدمی عالم چنا تھے۔ان کا قد سات فیٹ دس انچ تھا۔

۳۲۔امیر کروڑ اور خوش حال خان خٹک پشتو زبان کے شاعر تھے۔

۳۳۔قائداعظم کے مقبرے کا سنگِ بنیاد فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے رکھا۔

۳۴۔۱۷۔اکتوبر ۱۹۹۹ء شہید حکیم محمد سعید کی پہلی برسی کے موقع پر پاکستان کے محکمۂ ڈاک نے پانچ رُپے مالیت کا یادگاری ڈاک ٹکٹ کو جاری کیا۔

۳۵۔مشہور عالمِ دین علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کراچی میں دفن ہیں۔

۳۶۔۱۴۔اگست ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان کراچی کا افتتاح نواب زادہ لیاقت علی خاں نے کیا تھا۔

۳۷۔''فاطمہ جناح سینی ٹوریم'' پاکستان کے شہر کوئٹہ میں واقع ہے۔

☆☆☆

تم ضرور بادشاہ بنو گے

شیرِ میسور سلطان فتح علی خاں ٹیپو کے بہادر باپ حیدر علی پہلے معمولی سپاہی تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے کسی نجومی سے پوچھا: ''کیا میں بادشاہ بن سکتا ہوں؟''

نجومی نے اُن کا ہاتھ دیکھ کر کہا: ''اگر آپ کے ہاتھ کی یہ لکیریں مل جائیں، تب ہی ممکن ہے۔''

حیدر علی نے اپنا خنجر نکالا اور ہاتھ کی لکیر کو خنجر مار کر ملا دیا۔نجومی نے بے ساختہ کہا: ''اب میرا علم سچا ہو یا جھوٹا، مگر تمھارا عزم اور تمہاری ہمت دیکھ کر مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تم ضرور بادشاہ بنو گے۔'' نجومی کی پیش گوئی حرف بحرف سچ ہوئی۔ ☆

انعامی سلسلہ ۱۷۳

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول سولہ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہوں گے، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک سو روپے نقد حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ مئی ۲۰۱۰ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت ہودؑ کے زمانے میں .... پر بادشاہ ھدّاد کی حکومت تھی۔ (قوم عاد ۔ قوم ثمود ۔ قوم یہود)

۲۔ ذوالنورین .... کو کہا جاتا ہے۔ (حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمانؓ ۔ حضرت علیؓ)

۳۔ پاکستان کے پہلے وزیرِ دفاع .... تھے۔ (لیاقت علی خاں ۔ خواجہ ناظم الدین ۔ محمد علی بوگرہ)

۴۔ پاکستان کی سب سے پرانی یونی ورسٹی، پنجاب یونی ورسٹی .... میں ہے۔ (ملتان ۔ لاہور ۔ سیالکوٹ)

۵۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۴۔ اکتوبر .... کو بیت المقدس فتح کیا تھا۔ (۱۱۸۰ء ۔ ۱۱۸۴ء ۔ ۱۱۸۷ء)

۶۔ امریکی صدر روز ویلٹ .... بھی تھے۔ (اداکار ۔ ادیب ۔ باکسر)

۷۔ صومالیہ براعظم .... کا ایک ملک ہے۔ (ایشیا ۔ افریقہ ۔ یورپ)

۸۔ دنیا کی ایک مشہور عمارت "تاج محل" بھارت کے شہر .... میں ہے۔ (آگرہ ۔ احمد نگر ۔ بھوپال)

۹۔ "خواجہ حیدر علی" مشہور شاعر .... کا اصل نام ہے۔ (آتش ۔ آبرو ۔ آرزو)

۱۰۔ "لغت" کو فارسی زبان میں .... کہتے ہیں۔ (فرسنگ ۔ فرہنگ ۔ فرنگ)

۱۱۔ لکڑی اور کاغذ کھانے کا شوقین کیڑا .... ہے۔ (لال بیگ ۔ مکڑی ۔ دیمک)

۱۲۔ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں .... مہرے ہوتے ہیں۔ (۳۰ ۔ ۳۳ ۔ ۳۵)

۱۳۔ نرائن گنج نامی شہر.......... میں واقع ہے۔ (بنگلا دیش ۔ بھارت ۔ پاکستان)

۱۴۔ سیارہ زہرہ کو فارسی زبان میں .... کہتے ہیں۔ (امبر ۔ ناہید ۔ زرقا)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''خدا گنجے کو.......... نہ دے۔'' (کنگھا ۔ ناخن ۔ ٹوپی)

۱۶۔ مصحفی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے کون سے .... میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے (شہر۔گاؤں۔محلہ)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۱۷۳ (مئی ۲۰۱۰ء)

نام : ____________________

پتا : ____________________

____

____

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ دہرائیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء تک ہمیں مل جائیں۔ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (مئی ۲۰۱۰ء)

عنوان : ____________________

نام : ____________________

پتا : ____________________

____

____

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

صَافی
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
پریکٹیکل کر کے
دیکھو!
صافی کے قدرتی اجزاء خون میں شامل ہو کر کریں
کیل مہاسوں اور داغ دھبوں کا اندر سے خاتمہ
اور اس کے باقاعدہ استعمال سے آپ رہیں شاداب
کیونکہ ...یہی ہے نیچرل سلوشن!
THE BLOOD PURIFIER
SAFI®
ہمدرد

ہنسی گھر

● ایک خاتون صبح سویرے عام سے حلیے میں اپنی سال گرہ کے لیے کیک کا آرڈر دینے ایک قریبی بیکری پر گئیں اور بولیں: ''جناب! شام کو کیک ہر حال میں تیار ہو جانا چاہیے۔''

وہی خاتون شام کو بہترین کپڑے پہن کر اور میک اپ وغیرہ کر کے بیکری پہنچیں اور بولیں: ''آج صبح آپ کو سال گرہ کے ایک کیک کا آرڈر دیا تھا، وہ تیار ہے؟''

بیکری کا سیلز مین کچھ سوچ کر بولا: ''جی ہاں باجی! صبح آپ کی امی ایک کیک کا آرڈر دے کر گئی تھیں، جو تیار ہے۔''

مرسلہ: زلیخا بانو کھتری اٹارسی والے، نیو کراچی

● ایک شخص نے ایک بھکاری سے کہا: ''تمھیں سرِ عام سڑک پر کھڑے ہو کر بھیک مانگتے شرم نہیں آتی؟''

بھکاری نے کہا: ''تو آپ کا کیا خیال ہے، مجھے مانگنے کے لیے کوئی دفتر کھول لینا چاہیے؟''

مرسلہ: محمد شعیب مصطفٰے، سرگودھا

● بادشاہ نے درباری مسخرے کو دیکھتے ہی کہا: ''اچھا ہوا تم آگئے، اس وقت میرا دل کسی مسخرے سے گفتگو کرنے کو چاہ رہا تھا۔''

مسخرے نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت! میں بھی یہی سوچ کر آپ کے پاس آیا ہوں۔''

مرسلہ: محمد رضا علی سرگانہ، ملتان

● ایک بڑی بی دانت نکلوانے دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس گئیں تو ڈاکٹر نے کہا: ''منھ کھولو۔''

بڑی بی نے منھ کھولا تو ڈاکٹر نے کہا: ''اور کھولو۔''

بڑی بی نے کہا: ''کیا اندر بیٹھ کر دانت نکالو گے؟''

مرسلہ: محمد علی سرگانہ، ملتان

● ایک صاحب کی سائیکل چوری ہو گئی تو وہ چوک میں آکر اعلان کرنے لگے: ''میری سائیکل مجھے نہیں ملی تو میں وہی کروں گا جو میرے والد نے کیا تھا۔'' چور بوکھلا گیا اور سائیکل چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

سائیکل واپس مل گئی تو کسی نے پوچھا: ''جناب! آپ کے والد کو سائیکل نہیں ملی تو

آپ کے والد نے کیا کیا تھا؟''

وہ صاحب بولے: ''میرے والد نے نئی سائیکل خرید لی تھی۔''

مرسلہ: محمد تنویر انگرا، پیلو وینس

ایک آدمی اپنی جان پر کھیل کر جلتے ہوئے مکان سے چھے آدمیوں کو باہر نکال لایا، لیکن لوگوں نے پھر بھی اسے مارا، کیوں کہ وہ چھے آدمی آگ بجھانے والے تھے۔

مرسلہ: محمد بلال شاہد، سرگودھا

ایک آدمی دوسرے آدمی سے: ''بھائی! یہ ڈاکٹر کمرا بند کر کے آپریشن کیوں کرتے ہیں؟''

دوسرا آدمی: ''تاکہ کوئی آپریشن کرنا نہ سیکھ لے۔''

مرسلہ: حمزہ شفیع، کراچی

مریض ڈاکٹر سے: ''دو سال پہلے مجھے بخار ہوا تھا، تو آپ نے مجھے نہانے سے منع کیا تھا۔''

ڈاکٹر: ''تو اب کیا ہوا؟''

مریض: ''یہاں سے گزر رہا تھا کہ سوچا پوچھ لوں کہ اب نہا سکتا ہوں کہ نہیں؟''

مرسلہ: یسریٰ مریم، کراچی

استاد (بچوں سے): ''کلاس میں جو سب سے سُست لڑکا ہے، وہ کھڑا ہو جائے۔ میں اسے دو روپے انعام میں دوں گا۔''

کلاس کے تمام بچے فوراً کھڑے ہو گئے، مگر شہزاد بیٹھا رہا۔ استاد نے دو روپے شہزاد کو دیتے ہوئے کہا: ''لو بیٹا! تم کلاس میں سب سے سُست بچے ہو، اس لیے یہ انعام تمھارا ہے۔''

شہزاد نے کہا: ''سر! انعام میری جیب میں ڈال دیں۔''

مرسلہ: سعد معراج صدیقی، لیاقت آباد، کراچی

ایک دفعہ دو آدمی بجلی کے تار ٹھیک کرنے کے لیے کھمبے پر چڑھ رہے تھے۔ اسی وقت ایک خاتون کار میں وہاں سے گزریں۔ انھوں نے ان کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھا تو منھ ہی منھ میں بولیں:

''کم بخت! مجھے دیکھ کر اس طرح کھمبے پر چڑھ گئے ہیں، جیسے مجھے کار چلانی نہیں آتی۔''

مرسلہ: طیبہ ندیم، گولیمار، کراچی

پولیس افسر نے اپنے بیٹے سے کہا: ''تمھارا رزلٹ خراب آیا ہے۔ آج سے تمھارا کمپیوٹر اور ٹی وی بند۔''

بیٹا: ''یہ سو روپے پکڑیں اور معاملہ یہیں ختم کر دیں۔''

مرسلہ: رافعہ خالد، کراچی

۞ میزبان (مہمان سے): ''جناب! آپ کو کھانا کھاتے ہوئے تین گھنٹے ہو گئے ہیں، مگر آپ ابھی تک ڈٹے ہوئے ہیں۔''

مہمان: ''جناب! دعوتی کارڈ میں لکھا تھا، کھانے کھانے کا وقت ایک سے چار بجے تک ہے۔''

مرسلہ: محمد سعد افراہیم، کورنگی، کراچی

۞ ڈاکٹر! ''طبیعت کیسی ہے؟''

مریض: ''پہلے سے زیادہ خراب ہے۔''

ڈاکٹر: ''دوا کھائی تھی؟''

مریض: ''نہیں، دوا کی شیشی خالی نہیں، بھری ہوئی تھی۔''

ڈاکٹر: ''میرا مطلب ہے، دوا لی تھی؟''

مریض: ''جی ہاں، آپ نے دوا دی تھی تو میں نے لے لی تھی۔''

ڈاکٹر! ''بے وقوف! دوا پی لی تھی؟''

مریض: ''نہیں، دوا تو لال تھی۔''

ڈاکٹر: ''ارے گدھے! دوا کو پی لیا تھا؟''

مریض: ''نہیں، پیلیا تو مجھے تھا، ویسے میں ٹھیک تو ہو جاؤں گا نا ڈاکٹر صاحب؟''

مرسلہ: کرن شبیر، کراچی

۞ استاد (شاگرد سے) ''تم کل کیوں نہیں آئے؟''

شاگرد: ''جی کل میری نانی اماں وفات پا گئی تھیں۔''

استاد (بے خیالی میں): ''ٹھیک ہے، بیٹھ جاؤ لیکن آئندہ ایسا نہ ہو۔''

مرسلہ: مریم کومل، میرپورساکرو

۞ استاد: ''کل تم اسکول کیوں نہیں آئے؟''

شاگرد: ''میں گر گیا اور لگ گئی تھی۔''

استاد: ''کہاں گرے اور کیسے لگی؟''

شاگرد: ''میں بستر پر گر گیا اور آنکھ لگ گئی۔''

مرسلہ: ماہا قدیر، جہلم

۞ ایک خاتون اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھیں: ''میں جب بھی بیمار ہوتی ہوں تو سب سے پہلے ڈاکٹر سے نسخہ لکھواتی ہوں، کیوں کہ اسے روزی کمانی ہے اور زندہ رہنا ہے۔ اس کے بعد کیمسٹ سے جا کر دوا لیتی ہوں، کیوں کہ اس بھی تو پیسا کمانا اور زندہ رہنا ہے اور جب واپس گھر پہنچتی ہوں تو دوا اطمینان سے نالی میں انڈیل دیتی ہوں۔''

سہیلی بولی: ''ارے! وہ کس لیے؟''

''آخر مجھے بھی تو زندہ رہنا ہے۔''

مرسلہ: شاہ زیب اسلم، کراچی

ہنڈکلیا

کھٹے میٹھے چنے

مرسلہ : صومیہ فاطمہ، کراچی

کالے چنے	آدھا کلو	نمک	حسبِ ذائقہ
ادرک (پسی ہوئی)	ایک چمچہ	سرخ مرچ	چائے کا ایک چمچہ
لیموں	دو عدد	کھانے کا سوڈا	تھوڑا سا
پیاز	ایک عدد	شکر	کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب: چنے صاف کر کے سوڈا ملے ہوئے پانی میں بارہ گھنٹے کے لیے بھگو دیں۔ پھر بھیگے ہوئے چنوں کا پانی نکال کر تازہ پانی ڈال دیں اور اُبال لیں۔ پیاز بہت باریک کاٹ کر ایک چمچہ تیل میں ہلکی سنہری تل لیں۔ اُبلے ہوئے چنے چھان کر پیاز میں ڈال لیں۔ نمک، مرچ، ادرک اور شکر کو اس میں ڈال کر پکائیں۔ اب دھیمی آنچ پر دم کے لیے رکھ دیں۔ ڈش میں نکالنے کے بعد اوپر سے لیموں کا رس ڈال لیں۔

قیمہ بھرے کریلے

مرسلہ : سونیا بنت منجرا خان، کراچی

گائے/بکری کا قیمہ : آدھا کلو (بغیر چربی والا)	کریلے : آٹھ عدد	نمک : حسبِ ذائقہ
تیل : ایک پیالی	کلونجی : آدھا چائے کا چمچہ	گڑ : آدھا کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پسا ہوا : ایک کھانے کا چمچہ	املی کا گاڑھا رس : ایک پیالی	سونف : ایک چائے کا چمچہ
پیاز درمیانی : بڑی ڈلی باریک کٹی ہوئی	ہلدی : ایک چائے کا چمچہ	ہری مرچ : حسبِ ضرورت

ترکیب: سب سے پہلے کریلے چھیل کر چیرا لگائیں اور درمیان میں سے بیج نکال لیں۔ بغیر دھوئے ذرا سا نمک، ہلدی اور گڑ لگا کر رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے بعد ٹھنڈے پانی سے دھو کر چھلنی میں رکھ دیں۔ ایک دیگچی میں آدھی پیالی تیل ڈال کر پیاز ڈال دیں۔ ہلکی گلابی ہونے پر نکال لیں، پھر قیمہ، ادرک، لہسن، مرچ، ہلدی، کلونجی، سونف اور نمک ڈال کر بھون لیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو براؤن کی ہوئی پیاز اور ہری مرچیں ڈال کر پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ پھر چولھا بند کر کے ٹھنڈا ہونے دیں۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو کریلوں کے درمیان بھر کر دھاگا باندھ دیں۔ ایک الگ برتن میں تیل گرم کر کے کریلے فرائی کریں، جب بھورے ہو جائیں تو نکال کر قیمے والی دیگچی میں آہستہ آہستہ انھیں پکائیں، پھر املی کا رس اور تھوڑا سا گڑ ڈال کر دس سے پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو قیمہ بھرے کریلے تیار ہیں۔ ☆

روشن راستہ

راشد علی نواب شاہی

کریم اپنی بیوی اور اکلوتے بیٹے کے لیے غباروں میں ہوا بھر بھر کر بیچا کرتا تھا۔ آخر اسی کام میں اس کے پھیپھڑے جواب دے گئے اور وہ ایک سرد رات دونوں کو تنہا چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا۔ کریم روزانہ شام کو غبارے بیچ کر آتا تھا تو دو روپے نعیم کو بھی دیتا تھا۔ نعیم وہ دو روپے فوراً اپنے گلک میں ڈال دیتا تھا۔ وہ اپنے ابا سے غباروں کا ڈنڈا لے کر ایک کونے میں دیوار کے ساتھ ٹکا دیتا اور پھر باپ کے ساتھ شرارتوں میں مگن ہو جاتا۔ کریم اسے تھپک تھپک کر سلاتا تھا۔

نعیم اپنے باپ کے شفقت بھرے ہاتھوں کی تھپک اور حرارت یاد کرتا تو بے ساختہ نیند سے اُٹھ بیٹھتا۔ پھر وہ ماں کو بھی جاگا ہوا پاتا۔ اس کے بعد دونوں ماں بیٹے گلے لگ کر کریم کی جدائی میں گھنٹوں روتے۔

نعیم کے گلک میں جمع پیسے آخر کتنا عرصہ چلتے۔ گلک کی ساری جمع پونجی پندرہ دن میں ہی ختم ہو گئی، اب گھر میں دو دن سے فاقے ہو رہے تھے۔ مسلسل دو دن کے فاقوں سے مجبور ہو کر معذور صالحہ گھر سے بیساکھی کے سہارے نکلی۔ چار سال پہلے ایک حادثے میں صالحہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بے چاری بیساکھی کی محتاج ہو گئی تھی۔

''بیٹا! سڑک کے اس پار کوٹھیاں ہیں نا...... وہاں جا کر کوئی کام دیکھتی ہوں۔ بیٹھے بیٹھے کرنے کا کوئی کام مل گیا تو وہ کر لیتی ہوں۔ دو وقت کا کھانا مل جایا کرے گا۔''

''نہیں ماں! تم نہیں جاؤ گی۔'' ماں کا ارادہ سن کر نعیم بولا۔

''بیٹا! کسی کے سامنے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گی۔'' صالحہ کہنے لگی۔

''نہیں ماں! میں جو ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے تُو آرام کرے گی۔ میں کروں گا

کام۔'' تسلیاں دیتا ہوا پندرہ سالہ نعیم آج صالحہ کو اپنی عمر سے بہت بڑا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

''آدمی پورے ہیں کاکا! پھر آنا۔''

نعیم ایک ہوٹل میں گیا تو اسے جواب ملا۔

''بھائی! مجھے کام کی ضرورت ہے۔صرف دو وقت کی روٹی دے دینا۔''

''چل کاکا! چل، رش کا ٹائم ہے، کل آنا۔''

ہوٹل والے کا انکار سن کر نعیم آگے بڑھ گیا۔تندور میں پکتی ہوئی روٹیوں کی سوندھی خوشبو سے بھوک کچھ اور تیز ہوگئی تھی۔اس کا دل بے اختیار چاہا کہ ہوٹل والے سے روٹی مانگ لے۔

''بیٹا! کسی کے سامنے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گی۔''

اس کی ماں کے یہ الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرانے لگے۔

''نہیں ماں! میں کسی سے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔'' اس نے کہا اور اسی کش مکش میں وہ آگے بڑھ گیا۔

سارا دن وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔شام تک اسے کوئی بھی کام نہ مل سکا۔سب اسے کم عمر اور نا سمجھ جان کر ٹالتے رہے۔دونوں ماں بیٹے کے گھر میں فاقے کا تیسرا دن تھا۔وہ واپس مایوس ہو کر گھر آنے لگا تو ماں کا چہرہ اس کے سامنے آگیا اور وہ گھر کے دروازے سے پلٹ گیا۔

اس نے مایوس ہو کر سوچا کہ کیوں نہ مسجد میں نماز کے بعد نمازیوں سے کچھ مانگ لوں۔ اس خیال سے ایک مسجد کی طرف بڑھ گیا۔وہ کئی بار دیکھ چکا تھا کہ لوگ رو رو کر نمازیوں سے مانگتے ہیں تو انھیں کچھ نہ کچھ پیسے مل جایا کرتے ہیں۔

اسی خیال سے وہ بڑھتا جا رہا تھا کہ ایک آواز کو سن کر ٹھٹک گیا۔اس آواز نے نعیم کے چلتے قدم روک دیے۔نعیم آواز لگانے والے کی طرف مبہوت ہو کر دیکھنے لگا۔آواز لگانے والا

نعیم سے کوئی دو تین سال ہی بڑا ہوگا۔

''گیس کے چولہے بنانے والا...... گیس کے چولہے کے بٹن لگانے والا۔''

آواز لگانے والا لنگڑا کر چل رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا لاؤڈ اسپیکر اس کے بائیں کندھے پر رکھا ہوا تھا اور دائیں کندھے پر اس نے اوزاروں کا ایک چھوٹا سا تھیلا لٹکایا ہوا تھا۔

نعیم نے اپنے جسم کی طرف دیکھا تو اسے شرمندگی محسوس ہونے لگی کہ وہ تو صحیح سالم ہے، جب کہ آوازیں لگا کر گلی گلی، محلے محلے، پھری لگانے والا لڑکا تو ایک ٹانگ سے معذور تھا، مگر اس کے ہاتھ کسی کے سامنے پھیلے ہوئے نہیں تھے۔ وہ آواز لگانے والے کو بہت دیر تک تکتا رہا۔ اسے دیکھ دیکھ کر اسے حوصلہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی ہمت نہ ہارے۔

''بیٹا! کسی کے سامنے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گی۔''

اس کی ماں کے کہے ہوئے جملے سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر رب کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی۔ صرف خدا کے حضور کا سوالی بن کر وہ باہر چلا آیا۔ دعا کے بعد اچانک اسے ایک خیال آیا۔ اب اس کا رخ ہاشم چچا کی طرف تھا۔

''چچا! پھولوں کے یہ ہار اور کنگن مجھے دیں۔ میں بیچ آتا ہوں۔''

''اچھا بیٹا! یہ لے ہار۔ یہ ایک ہار میں تمھیں سات رپے کا دیتا ہوں۔ تم دس رپے کا بیچو اور یہ کنگن تمھیں تین رپے کا دیتا ہوں۔ تم اسے پانچ رپے کا بیچو۔ بک جائیں ٹھیک، ورنہ واپس لے آنا۔'' ہاشم بھی پہلے غبارے بیچتا تھا، مگر اب اس نے ایک چھوٹی سی پھولوں کی دکان لگالی تھی، اور ہار بنا بنا کر فروخت کرتا تھا۔

نعیم گلاب کے پھولوں کے بنے ہوئے ہار اور چنبیلی کے خوب صورت کنگن لے کر مینارِ پاکستان کے احاطے میں داخل ہوا۔

''بیٹا! یہ کنگن کتنے کے دو گے؟'' سیر کے لیے آنے والی ایک خاتون نے پوچھا۔

''خالہ! دس روپے کی جوڑی ہے۔''

''بیٹا! ایسا کرو، آٹھ جوڑیاں دے دو۔''

نعیم نے کنگن کی آٹھ جوڑیاں خاتون کو دیں اور اسی روپے جیب میں ڈال کر آگے بڑھا۔

''امی! یہ ہار کتنے خوب صورت ہیں۔ پلیز، امی لے لیجیے۔''

سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی دو لڑکیوں نے گلاب کے پھولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! یہ دو ہار دے دو۔''

نعیم نے بیس روپے کے دو ہار دے دیے۔

صرف دو گھنٹے میں اس کے تمام ہار اور چنبیلی کے پھولوں سے بنے ہوئے کنگن فروخت ہو چکے تھے۔ نعیم کو پورے بتیس روپے بچے تھے۔ نعیم نے ہاشم چچا کے سارے پیسے ادا کر دیے۔ اب اس کا رخ ایک ہوٹل کی طرف تھا۔ اس نے اپنے اور ماں کے لیے کھانا خریدا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریکی سردی لیے گہری ہوتی جا رہی تھی، مگر نعیم اپنے عزم اور حوصلے سے ایک روشن راستہ تلاش کر چکا تھا۔ ☆

حکیم لقمان کی حکمت

حکیم لقمان نسلاً حبشی غلام اور نہایت بدصورت تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حکیم لقمان سے پوچھا: ''کیا تُو فلاں شخص کا غلام نہیں؟''

لقمان نے کہا: ''بے شک، میں فلاں شخص کا غلام ہوں۔''

''کیا تُو فلاں پہاڑ کے نیچے بکریاں نہیں چراتا تھا؟''

لقمان نے کہا: ''صحیح ہے۔''

پوچھنے والے نے پھر پوچھا: ''تُو غلام ہے، بکریاں چراتا ہے، آخر تجھے اتنا بڑا مرتبہ کیسے ملا؟''

لقمان نے کہا: ''ان چیزوں کی بدولت (۱) قول میں صداقت (۲) امانت میں دیانت (۳) بے فائدہ باتوں کے بجائے صرف کام کی باتیں۔'' ☆

آؤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں

ہمدرد نونہال اسمبلی، راولپنڈی

رپورٹ: حیات محمد بھٹی

بیگم ثاقبہ رحیم الدین صاحبہ، محترم پیر سید اظہار حسین بخاری اور دیگر نونہال، ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں تقریر کر رہے ہیں۔

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں ربیع الاول کی مناسبت سے ہمدرد نونہال سیرت کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ موضوع تھا:

"آؤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں"

صدارت محترمہ ثاقبہ رحیم الدین چیئر پرسن پاکستان چلڈرن اکیڈمی نے کی۔ مہمانِ خصوصی ممتاز مذہبی و دینی اسکالر جناب پیر سید اظہار حسین شاہ بخاری تھے۔ نونہال حافظ صبیح محمد نے تلاوتِ کلام پاک اور نونہال محمد اعجاز نے حمدِ باری تعالیٰ پیش کی۔ نونہال مقررین میں فرحان عادل، طورسم عادل، فروا نعیم اور زوہیب آفتاب شامل تھے۔ اسٹیج پر موجود طالبات

درود و سلام پیش کرتی رہیں۔ نعت خوانی میں حصہ لینے والے نونہالوں میں فرحان داؤد اور دیگر طالبات سمیت کومل بی بی، محمد اویس اختر اور رابیل احمد شامل تھے۔ نظامت کے فرائض لاریب امجد نے سرانجام دیے۔

نونہالوں کے نام قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد کا پیغام نونہال رابعہ امجد نے پڑھ کر سنایا، جس میں انھوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے مال سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔ ویسے تو ہر مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا زبانی دعوا کافی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ کے حبیبؐ کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر عشقِ رسولؐ کا عملی ثبوت دیں۔ حضور اکرمؐ نے جو کچھ فرمایا، اس پر خود عمل کر کے ہمارے لیے فلاح و بہبود کے تمام راستے روشن فرما دیے ہیں۔

محترمہ ثاقبہ رحیم الدین نے کہا اگر ہم اپنے دل میں تہیہ کرلیں کہ ہم اپنے پیارے نبیؐ کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو دنیا وآخرت کی کام یابی ہمارا مقدر رہے۔ آپؐ کی سیرت ہمارے لیے کامل نمونہ ہے اور آپؐ کی احادیث اور سنت ہماری کام یابی کا راستہ ہیں۔

مہمانِ خصوصی محترم پیر اظہار حسین شاہ بخاری نے بھی اجلاس سے خطاب کیا اور نونہالوں کو حضورؐ کی پیاری پیاری باتیں بتائیں۔ آخر میں مہمانِ خصوصی نے دعا کرائی اور پھر پروگرام میں حصہ لینے والے نونہالوں میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

ہمدرد نونہال اسمبلی، لاہور —— رپورٹ: سید علی بخاری

''آؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں'' کے موضوع پر ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں سیرت کانفرنس منعقد ہوئی۔ مہمانِ خصوصی حکیم سید خرم ریاض رضوی نے نونہالوں

''آؤ آپؐ سے محبت کریں'' کے موضوع پر ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں
نونہال مقررین مہمان عذرا شکیل کے ساتھ درود و سلام پیش کر رہے ہیں۔

سے خطاب کیا۔ نونہال مقررین میں ہدیٰ سعید، طیب طارق، نویرا بابر، حسن وقار، آمنہ خرم اور فرزاد قمر شامل تھے۔ نونہال مقررین نے کہا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے، تاکہ خلافت راشدہ کی بہاریں لوٹ آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ملاوٹ کی، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے رشوت دی یا لی، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ بدقسمتی سے آج ہم لوگ کسی نہ کسی طریقے سے ایسے گناہ کر رہے ہیں۔ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل درآمد کرتے تو آج دنیا میں یوں پریشان نہ ہوتے۔ ہمدرد نونہال سیرت کانفرنس میں مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے حمد، نعت اور درود و سلام پیش کیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کے ساتھ آپؐ کی تعلیمات پر حقیقی روح کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ★

CHILDREN'S SECURITY IS MOTHER'S .RESPONSIBILITY

For 62 years ***EBH*** has given preferential treatment to kids. From the time the child is trained to walk to later years when he/she is growing through the rough and tumble years, ***EBH*** selects the most appropriate materials and technologies to facilitate the growth of the child which is a pleasure for mothers. Be they sports shoes for boys or sandals for fashion conscious girls, ***EBH*** makes this their prime objective to see that their mothers raise healthy kids for our country's future.

ENGLISH BOOT HOUSE (Pvt) Ltd.

Karachi

www.ebhshop.com

ebh 10

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

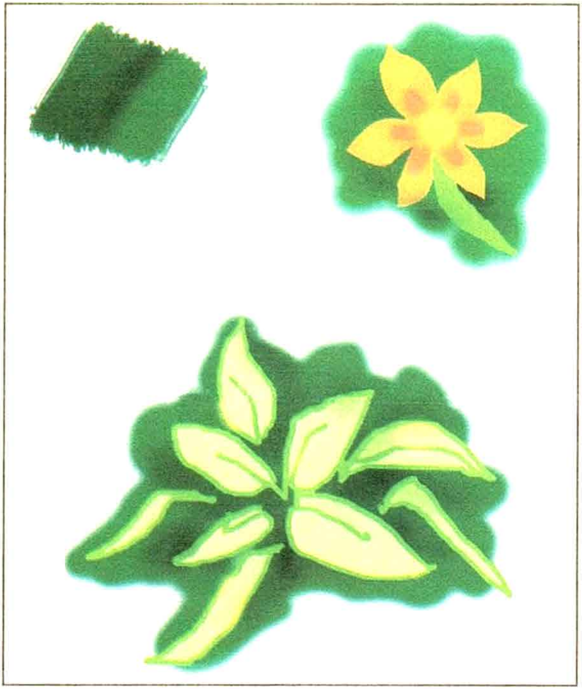

کسی چیز کی تصویر کو واضح کرنے کے لیے اس کے پس منظر (بیک گراؤنڈ) کو گہرے رنگ کا ہونا چاہیے۔ اوپر بنی ہوئی تصویر پر غور کریں۔ اگر تصویر کے پیچھے رنگ گہرا نہ ہوتا تو یہ تصویریں پھیکی پھیکی نظر آتیں۔ آپ بھی اس طرح تجربہ کر سکتے ہیں۔

تصویر خانہ

عدیل اشرف، قصور

افہام الحسن، اٹک

نایاب ارشاد، کوئٹہ

عفرہ عمر، راج گڑھ، لاہور

محمد ارشد ٹالانی بلوچ، جیکب آباد

جہاں زیب احمد خاں لنگاہ، ملتان

مدثر حسین زیدی، ملیر

علینہ اعجاز، کراچی

غلام رسول، لانڈھی

فریال رفیق کشمیری،

رافعہ عزیز، قصبہ کالونی

محمد وجاہت ندیم، کراچی

محمد فرہاد، کراچی

مطیع الرحمٰن، لانڈھی

محمد فراز، کراچی

عزیر صمد، سعود آباد

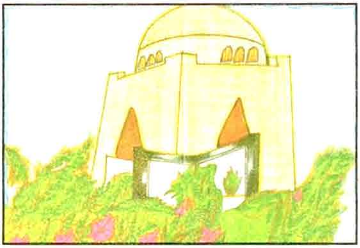

آفرین کلیم، اورنگی ٹاؤن

مجتبیٰ عارف، مغلپورہ

عفیفہ عارف، لاہور

محمد فہد محمد فواد، لانڈھی

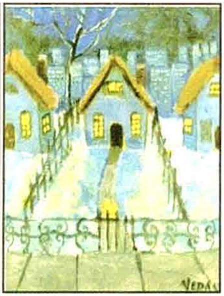

ویدا ریاض فاطمی، کراچی

فارحہ ایوب، کورنگی

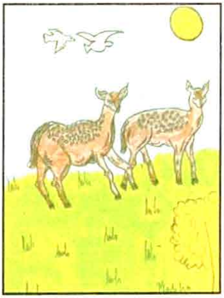

مدیحہ منور لاڑک، حیدر آباد

Adarts-CAR-1/09

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

فرزین اعجاز ملتانی شیرازی، گذر آباد	عاصمہ فرحین، کورنگی
اقصیٰ راؤ، لانڈھی	اریبہ زاہد، نارتھ ناظم آباد
سویرا ساجد خانزادہ، نواب شاہ	سمعیہ غفار، ملیر ہالٹ

زینب جمیل احمد، حیدر آباد

ضدی شہزادی

فرزین اعجاز ملتانی شیرازی، گذر آباد

کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی، جس کا نام شہزادی یاسمین تھا۔ شہزادی یاسمین بہت ہی ضدی تھی۔ بادشاہ اس کی ہر ضد پوری کرتا۔ شہزادی ہر روز نئے نئے کپڑے، زیورات منگواتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ وزیروں اور درباریوں سے بھی کچھ نہ کچھ تحفے منگواتی رہتی۔ لوگ اس کو تحائف دیتے تو وہ بہت خوش ہوتی۔ اب تک اس کے پاس ہزاروں کی تعداد میں کپڑے، زیورات اور مختلف تحفے جمع ہو چکے تھے۔

ایک دفعہ شہزادی ایک وزیر کی دعوت میں گئی تو وہاں اس نے ایک خوب صورت فوارہ دیکھا۔ اس کے دل میں فوراً یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ایسا فوارہ اس کے باغ میں بھی ہونا چاہیے۔ تقریب ختم ہوئی تو شہزادی نے محل میں پہنچتے ہی بادشاہ سے اس فوارے کی فرمائش کر دی کہ کل تک فوارہ باغ میں بن جانا چاہیے۔ بادشاہ نے اسی وقت مزدوروں کو بلوایا اور اسی وقت فوارہ بنانے کا کام شروع کروا دیا۔ ساری رات اور سارا دن کام کرنے کی وجہ سے فوارہ جلد تعمیر ہو گیا۔ اگلے دن شہزادی صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے باغ میں پہنچی۔ اس نے دیکھا کہ فوارہ تعمیر ہو گیا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ اسے اپنے اوپر اور زیادہ غرور ہو گیا۔ شہزادی فوارے کے کنارے بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی کہ اچانک پانی کا ایک قطرہ شہزادی کے

ہاتھ پر گرا، شہزادی کو وہ بہت خوب صورت لگا۔ اس کے دل میں ایک اور خواہش پیدا ہوئی۔ وہ بھاگتی ہوئی بادشاہ کے پاس گئی اور کہا: ''ابا حضور! مجھے شبنم کے قطروں کا خوب صورت ہار چاہیے۔''

بادشاہ یہ سن کر پریشان ہوگیا اور سمجھانے لگا: ''بیٹی! آپ کے پاس اتنے خوب صورت سونے، چاندی کے ہار ہیں، پھر کیا ضرورت ہے؟''

شہزادی نے غصے سے پیر پٹختے ہوئے کہا: ''لیکن مجھے شبنم کے قطروں کا ہار ہر حال میں چاہیے۔''

بادشاہ کو اب احساس ہوا کہ اسے شہزادی کو اتنے لاڈ پیار سے نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ بادشاہ نے اعلان کروادیا کہ جو کوئی شہزادی کو شبنم کے قطروں کا ہار بنا کر دے گا، اس کی شادی شہزادی سے کر دی جائے گی۔ بہت سے کاریگر اور سنار آئے، مگر سب کے سب ناکام ہوئے۔

ایک دن پڑوسی ملک کا شہزادہ علی آیا۔ وہ بادشاہ کی اجازت سے باغ میں داخل ہوا اور شہزادی سے کہا: ''یہ پانی کے قطرے ہیں۔ آپ اپنی پسند کے قطرے مجھے دے دیں۔'' شہزادی جیسے ہی قطرے لے کر شہزادے کے پاس پہنچتی، وہ بہ جاتے۔ وہ دوبارہ جاتی، مگر شہزادے تک پہنچنے سے پہلے ہی قطرے دوبارہ بہ جاتے۔ آخر شہزادی تھک گئی اور بولی: ''یہ تو بہت مشکل کام ہے، میں نہیں کرسکتی۔''

شہزادے نے کہا: ''اگر یہ کام آپ نہیں کرسکتیں تو دوسرے لوگ بھی تو آپ کی ہی طرح ہیں، وہ یہ کیسے کر سکتے ہیں؟''

یہ سن کر شہزادی لاجواب ہوگئی اور اس نے آیندہ ضد کرنے سے توبہ کرلی۔ اس طرح شہزادے علی کی شادی شہزادی یاسمین سے ہوگئی۔

بھوک چمک اٹھی

اقصیٰ راؤ، لانڈھی

ثریا ایک چھوٹے سے گھر میں اپنی امی کے ساتھ رہتی تھی۔ ان کا گھر کھیتوں کے درمیان واقع تھا۔ وہ دن بھر اپنی گڑیا کے ساتھ کھیلتی رہتی، جب شام کے کھانے کا وقت ہوتا تو وہ آکر کھانے کی میز پر بیٹھ جاتی اور سوپ کا پیالہ اپنی جانب کھینچتی، چمچہ اُٹھاتی اور تھوڑا سا سوپ چکھتی پھر واپس رکھ دیتی اور

ناگواری کے ساتھ اپنی امی سے کہتی: ''امی! مجھے یہ پسند نہیں، میں یہ نہیں پیوں گی۔''

ایک دن اس کی امی نے نرمی سے کہا: ''کوئی بات نہیں ثریا! اگر تمھیں یہ پسند نہیں ہے تو مت پیو۔ کل میں تمھارے لیے اس سے بہتر سوپ بناؤں گی، مگر اس کے لیے تمھیں میرے ساتھ کھیت میں جانا ہوگا۔ آلو کی فصل تیار ہے۔ ہم دونوں مل کر آلو جمع کریں گے، پھر شام کو میں تمھارے لیے مزے کا سوپ بناؤں گی۔''

امی کی بات سن کر ثریا بہت خوش ہوئی۔ اگلے دن دونوں ماں بیٹی صبح سویرے کھیت میں جا کر آلو کھود کھود کر نکالنے لگیں۔ ثریا اور اس کی امی شام تک مسلسل کام کرتی رہیں۔ شام ہوئی تو دونوں گھر آ گئیں۔ ثریا نے منھ، ہاتھ دھویا اور آ کر میز پر بیٹھ گئی اور بولی: ''امی! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے کل سے بہتر سوپ بنا کر دیں گی۔ جلدی سے لے آئیں، آج مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔''

اس کی امی باورچی خانے سے ہاتھ میں ایک بھاپ اُڑاتا پیالہ لے کر نکلیں اور وہ پیالہ ثریا کے آگے رکھ دیا۔ ثریا نے جلدی سے چمچہ اٹھایا اور سوپ پینے لگی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ سوپ بہت مزے دار ہے۔ اس نے سارا سوپ پی لیا اور بولی: ''واہ امی! یہ تو واقعی مزے دار سوپ تھا۔ کیا آپ مجھے روز ایسا سوپ بنا دیں گی؟''

اس کی امی ہنسنے لگیں اور بولیں: ''ثریا! شاید تم نہیں جانتیں کہ یہ وہی سوپ ہے جو تم روز پینے سے انکار کر دیتی تھیں۔ میں نے تمھیں وہی سوپ گرم کر کے دیا ہے۔ تم پورا دن کوئی کام نہیں کرتی تھیں، اس لیے تمھیں بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔ آج تم نے خوب کام کیا، اس لیے تمھیں بھوک بھی خوب لگی اور بھوک میں تمھیں سوپ بھی مزے دار معلوم ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری بات کو سمجھ گئی ہوگی۔''

ثریا نے امی کی باتیں غور سے سنیں اور یہ عہد کر لیا کہ آئندہ وہ اپنا وقت فضول برباد کرنے کے بجائے اپنی امی کا ہاتھ بٹائے گی۔ اس طرح اسے بھوک بھی اچھی لگے گی اور وہ چاق چوبند رہے گی۔

ایک ڈراؤنا خواب

سویرا ساجد خانزادہ، نواب شاہ

آج ہمارا ویک اینڈ تھا۔ ہم سب بہن، بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ کل چوں کہ دیر سے

اُٹھنا ہے، اس لیے آج کوئی '' ڈراؤنی فلم'' دیکھی جائے۔ میرے بھائی کو '' ڈریکولا'' کی فلمیں دیکھنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ میری بہن نے بھی میرے بھائی کی تائید کی۔ میں نے اُن کو بہت منع کیا، لیکن وہ نہ مانے، پھر میں نے بھی ہمت کر کے فلم دیکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ فلم میرے خیال سے بھی زیادہ خوف ناک تھی۔ خیر میں فلم دیکھتے دیکھتے سوگئی۔

گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ ہم سب گھر والوں نے ساحلِ سمندر پر جانے کا پروگرام بنایا۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو وہاں پر اتنا مزہ آیا کہ ہم نے سوچا، رات یہیں گزارنی چاہیے۔ میرے بابا نے '' ہٹ'' کرائے پر لے لیا۔ '' ہٹ'' کے مالک نے کہا کہ یہ بڑا '' ہٹ'' ہے۔ اس میں دو کمرے ہیں اور ہر کمرے میں تین تین بستر ہیں، اگر دوسرے لوگ آگئے تو میں ایک کمرا ان کو دے دوں گا۔ میرے بابا اس پر راضی ہوگئے۔

رات بارہ بجے '' ہٹ'' کے مالک نے کہا: '' کچھ لوگ آگئے ہیں۔ آپ ایک کمرا ان کو دے دیں۔'' ہم نے ان لوگوں کو دیکھا تو وہ ہمیں کچھ عجیب سے لگے۔ دونوں آدمی کافی لمبے چوڑے تھے اور ان کی آنکھیں بالکل سرخ ہو رہی تھیں۔ ان کے ساتھ عورت بھی کافی قدآور تھی اور ایک موٹا سا دس بارہ سال کا بچہ تھا، جس کے ہاتھ میں ایک فٹ بال تھی۔ وہ ہماری طرف نہ جانے کیوں غصے سے دیکھ رہا تھا۔ خیر ہم اندر آگئے۔ رات کا کھانا کھایا، تھوڑی دیر ٹی وی دیکھا اور پھر سو گئے۔ مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ اچانک دروازے پر ہلکی ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو وہی بچہ فٹ بال سے کھیل رہا تھا۔ اس نے مجھے بھی کھیلنے کی دعوت دی اور میں بھی اس کے ساتھ کھیلنے لگی۔ اچانک اس نے بال باہر کی طرف پھینکی، میں بال کو اُٹھانے کے لیے بال کی طرف بڑھی تو بال کسی نے اُٹھالی۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہ دونوں آدمی اور وہی عورت کھڑے تھے۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں بال تھی۔ ان کو دیکھتے ہی میری چیخیں نکل گئیں،

کیوں کہ ان تینوں کی آنکھیں سرخ تھیں اور منھ سے دو، دو دانت باہر نکل آئے تھے۔ وہ میری طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بچہ بھی اپنے بڑے بڑے دانت نکالے مجھے گھور رہا تھا۔ مجھے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں پوری قوت سے بھاگ رہی تھی، وہ بھی بڑی تیزی سے میری طرف آ رہے تھے۔ سب سے تیز ان کا بچہ دوڑ رہا تھا۔ میں تیزی سے سامنے والے ''ہٹ'' میں گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ آنکھیں بند کر کے جلدی جلدی سانس لینے لگی۔ اچانک مجھے اپنے کندھے پر ہاتھ محسوس کیا۔ میں نے آنکھیں کھولی تو میری چیخ نکل گئی، کیوں کہ دروازہ بند ہونے کے باوجود وہ لوگ میرے سامنے کھڑے تھے۔ انھوں نے میری گردن پکڑ لی۔ اب میں مکمل طور پر بے بس تھی اور بُری طرح چیخ رہی تھی: ''بچاؤ، بچاؤ، بچاؤ......۔''

اچانک مما کی آواز آئی: ''کیا بات ہے سویرا؟ کیوں چیخ رہی ہو؟ تمھیں رات میں بھی آرام نہیں ہے۔ کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ ڈراؤنی فلمیں مت دیکھا کرو۔'' میں نے آنکھیں کھولیں تو محسوس ہوا کہ میں اپنے بیڈ روم میں موجود تھی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور آیندہ ڈراؤنی فلمیں دیکھنے سے توبہ کر لی۔

روبوٹ ممی

عاصمہ فرحین، کورنگی

آج روحان بہت خوش تھا، کیوں کہ آج شام کو اس کی سال گرہ کے دن اس کے پاپا نے اسے روبوٹ کا تحفہ دیا تھا۔ اس کے پاپا کاشان احمد ایک انجینئر تھے اور اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ جاپان میں رہ رہے تھے۔ وہ جس کمپنی میں کام کرتے تھے، وہاں برقی آلات اور روبوٹ بھی بنائے جا رہے تھے۔ جب سے روحان نے اپنے پاپا کے منھ سے ایک ایسے روبوٹ کے بارے میں سنا تھا، جو کھانا پکانا بھی جانتا تھا اور اسے روبوٹ ممی کا نام دیا گیا تھا تو روحان نے ایک ہی ضد پکڑ لی تھی: ''مجھے روبوٹ ممی چاہیے۔''

دراصل یہ روبوٹ ممی دنیا بھر کے

مزے دار کھانا بنانا جانتی تھی ۔ بچوں کے پسندیدہ فاسٹ فوڈ ، گھر کے چھوٹے موٹے کام مثلاً جھاڑو دینا، برتن دھونا، کپڑے دھوکر سکھانا اور اس کے علاوہ اسے چھوٹے بچوں کے لیے بے شمار لوریاں بھی یاد تھیں ۔

آخر کاشان احمد کو روحان کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑے، جب کہ روحان کی والدہ ثریا بیگم کو یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی، کیوں کہ انھیں بچوں کا فاسٹ فوڈ کھانا بالکل پسند نہ تھا، اس لیے انھوں نے پابندی لگائی کہ روحان میاں مہینے میں صرف ایک بار روبوٹ سے اپنی پسند کا کھانا پکوا سکیں گے ۔ یہ شرط روحان نے بخوشی مان لی تو ایک روبوٹ خرید لیا گیا ۔

روحان کے امتحانات ہونے والے تھے کہ پاکستان میں اس کی نانی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی اور اس کے امی ابو روحان کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ۔ روحان سب کے جانے کے بعد اداس ہو گیا تھا، مگر پھر پڑھائی نے اسے سر اٹھانے کی فرصت نہیں دی تھی ۔ روزانہ ان کی ملازمہ جینی آنٹی سارا کام نمٹا جاتیں، کھانا پکا جاتیں ۔ کبھی پاکستان سے خیریت کا فون آجاتا یا کبھی وہ نانی کی طبیعت معلوم کر لیتا ۔ آخر پیپر ختم ہو گئے اور اسکول سے چھٹیاں مل گئیں، مگر کاشان احمد اور ثریا بیگم کے ویزے میں ابھی وقت باقی تھا، اسی لیے وہ ابھی پاکستان میں ہی تھے ۔

روحان کی دیکھ بھال کرنے والی ملازمہ جینی کی بیٹی بیمار ہوئی تو وہ ایک دن کے لیے اپنے گھر چلی گئیں ۔

اب روحان تھا اور اس کا روبوٹ یعنی روبوٹ ممی ۔ ٹی وی کے آگے بیٹھ کر وہ صبح سے شام تک نئی نئی کارٹون فلمیں دیکھتا ۔ روبوٹ ممی کا بٹن دباتا تو وہ جھٹ پٹ پیزا، برگر، کبھی آئس کریم، کبھی سینڈ وچ بنا کر لے آتی ۔ بکھری ہوئی چیزیں سمیٹتی، فٹا فٹ کپڑے دھوتی ۔ اسے روبوٹ ممی سے کام کروا کر بڑا مزہ آرہا تھا ۔ دو دن ہو چکے تھے، مگر جینی آنٹی نہیں آئی تھیں ۔ رات کو وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے، پیزا کھاتے ہوئے سو گیا ۔ صبح جب

آنکھ کھلی تو اس نے روبوٹ ممی کے بٹن دبائے اور کہا کہ چاے اور سینڈ وچ بنا کر لا دیں۔ جب تک روحان منھ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو ناشتا تیار تھا۔ اس نے سینڈ وچ کھایا ہی تھا کہ اس کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا اور متلی ہونے لگی۔ وہ دو قدم آگے ہی بڑھا تھا کہ اسے چکر آئے اور وہ گر گیا۔

روحان کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اسپتال میں پایا۔ اس کے امی ابو اس کے پاس پریشان کھڑے ہوئے تھے۔

روحان نے پوچھا: ''میں یہاں کیسے آیا؟''

''اپنی غلطی سے۔'' اس کی امی غصے سے بولیں۔

ابو نے کہا: ''میں بتاتا ہوں، دراصل تم سمجھتے ہو کہ روبوٹ ممی ایک عام خاتون کی طرح ہر کام کر سکتی ہے۔ وہ کھانا تو پکا سکتی ہے، مگر اس صورت میں جب سارا سامان اس کے سامنے ترو تازہ موجود ہو۔ اسے یہ نہیں پتا کہ کوئی بھی چیز فریج سے باہر رہنے کی صورت میں خراب ہو سکتی ہے۔ کل رات تم نے اس سے پیزا بنوایا اور کھا پی کر سو گئے، اس لیے چکن اور تمام چیزیں رات بھر اسی طرح کھلی پڑی رہیں۔ پھر تم نے سینڈ وچ بنوایا تو روبوٹ ممی نے وہی چکن سینڈ وچ میں بھی ملا دیا، جس کی وجہ سے تمھیں فوڈ پوائزن ہو گیا۔ اگر جینی وقت پر نہ آتی تو تمھاری جان بھی جا سکتی تھی۔''

روحان نے پوچھا: ''مگر جینی آنٹی کیسے آئیں، دروازہ تو اندر سے بند تھا؟''

''ہم نے اسی دن کے لیے اضافی چابی بنوا کر دی تھی۔ دراصل وہ تو اس کی بیٹی بیمار تھی، ورنہ وہ جاتی نہیں۔ ہم جینی کے بہت شکر گزار ہیں۔'' اس کی امی اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''اور آپ کے آنے میں تو ہفتہ باقی تھا؟'' روحان نے اگلا سوال کیا۔

''میرا دل نہیں لگ رہا تھا، اس لیے ہم جلدی واپس آ گئے، تا کہ چھے مہینے بعد تمھیں بھی نانی سے ملوانے لے جا سکیں۔'' امی اسے گلے لگاتے ہوئے بولیں۔

ایک مہینے بعد کی بات ہے۔ روحان کے

ابو شام کو حسبِ معمول گھر میں داخل ہوئے۔ شزا اور روحان کھیل رہے تھے، جب کہ امی سوئٹر بُن رہی تھیں۔ ''دیکھو روحان! میں کیا لایا ہوں؟'' انھوں نے مسکرا کر کہا۔

شزا بولی: ''آئس کریم!''

روحان نے کہا: ''پیزا!''

''نہیں تم دونوں کا اندازہ غلط ہے۔ یہ لو تمہاری روبوٹ ممی، اب اس کے پروگرام کو تبدیل کر لیا گیا ہے اور اب یہ کھانے کو پہلے ٹیسٹ کرے گی کہ یہ باسی ہے یا تازہ۔ اس کے بعد پکائے گی۔ ہو گئے نا خوش؟'' کاشان احمد، روحان کے سر کے بال سہلا کر بولے۔

''نہیں پاپا! آپ اسے واپس لے جائیں۔ مجھے روبوٹ ممی کے کھانے نہیں چاہییں۔'' روحان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

'' پھر کس کے کھانے چاہییں؟'' کاشان احمد تعجب سے بولے۔

''اپنی اصلی ممی کے پیارے پیارے ہاتھوں کے بنے ہوئے کھانے چاہییں۔'' وہ اپنی امی کے ہاتھ پکڑ کر بولا اور وہ سب ہنس دیے۔

گندا بچہ

مرسلہ: اریبہ زاہد، نارتھ ناظم آباد

بازاری چیزیں کھا کر بیمار ہو گیا ہوں
جینے سے جیسے اب تو بے زار ہو گیا ہوں
چھے من تھا وزن میرا، اب دس گرام ہے بس
اب لیٹے رہنے ہی سے مجھ کو تو کام ہے بس
بتیس میں سے دوستو! دس دانت رہ گئے ہیں
طوفان سے جیسے سارے گھر بار بہ گئے ہیں
چھے چھے مہینے تک میں ہرگز نہ تھا نہاتا
سب دور مجھ سے رہتے، کوئی نہ پاس آتا
گر میں خیال رکھتا، ہوتا نہ حال ایسا
میں نونہال اب تو لگتا ہوں بوڑھے جیسا
کھانا گلے سڑے پھل، میلا کچیلا رہنا
اپنے بڑوں کا میں نے مانا، نہ کوئی کہنا
سب سے بھلی ''صفائی'' ہے، یاد رکھیے بچو!
اور ''گندگی'' برائی ہے، یاد رکھیے بچو!

یادگار لمحہ

سمعیہ غفار، ملیر ہالٹ

عائشہ کو اس کے چچا نے اس کی سال گرہ پر

ایک خوب صورت سی گڑیا دی تھی۔ ایک روز عائشہ اپنے ابو کے ساتھ پکنک پر گئی۔ عائشہ کی گڑیا عائشہ کے پاس تھی۔ عائشہ نے امی ابو کے ساتھ خوب سیر کی۔ ان کو وہیں رات ہوگئی۔ عائشہ کے ابو نے کہا کہ چلو، اب اندھیرا ہوگیا ہے، گھر چلتے ہیں۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے، گاڑی روانہ ہوگئی۔ اسی دوران عائشہ کی گڑیا کھڑکی سے باہر گرگئی اور اسے پتا نہ چل سکا۔ کچرا چننے والی ایک بچی نے جب یہ دیکھا کہ گڑیا گاڑی سے باہر گرگئی ہے تو اس نے گڑیا اٹھا کر گاڑی کے پیچھے بھاگنا شروع کیا کہ کسی طرح گڑیا اس کے مالک تک پہنچا سکے، لیکن بچی کی کوشش بے کار ہوگئی۔ گاڑی بہت تیزی سے آگے نکل گئی اور بچی وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ بچی اس گڑیا کو اپنے ساتھ گھر لے گئی اور ماں کو ساری بات بتائی۔ ماں نے اسے کہا: ''یہ پرائی چیز ہے، جب وہ لوگ لینے آئیں گے تو واپس کرنی پڑے گی، اس لیے اسے سنبھال کر حفاظت کے ساتھ رکھو، تاکہ خراب نہ ہوجائے۔'' کچرا چننے والی بچی نے گڑیا سے کھیلنا شروع کردیا۔ جب گڑیا نے تالیاں بجائیں اور ناچنے لگی تو کچرا چننے والی بچی کو بہت اچھا لگا اور اس نے اپنی ماں سے کہا: ''اماں! میں یہ گڑیا ہرگز واپس نہیں کروں گی۔ میں نے چوری نہیں کی ہے، مجھے تو یہ راستے سے ملی ہے۔'' اس کی ماں نے اسے بہت سمجھایا، لیکن بچی کا دل گڑیا میں اٹک سا گیا تھا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ گڑیا ہرگز واپس نہیں کرے گی۔

دوسری طرف جب عائشہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی پیاری گڑیا کہیں گرگئی ہے تو وہ خوب روئی، ضد کرنے لگی کہ مجھے اپنی گڑیا واپس چاہیے۔ اس کے ابو نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ اسے بالکل ویسی ہی دوسری گڑیا لے کر دے دیں گے، لیکن عائشہ نے ان کی ایک نہ سنی اور اپنی بات پر بضد رہی کہ اسے وہی گڑیا چاہیے۔

اگلے دن جب وہ لوگ اسی جگہ پہنچے تو ان کو وہاں کچرا چننے والی بچی کی ماں ملی۔ عائشہ نے اس سے گڑیا کے متعلق دریافت کیا تو وہ عورت انھیں رکنے کا کہہ کر اپنے گھر گئی جو قریب ہی تھا۔ جب اسے گئے کافی دیر ہوگئی تو عائشہ بھی اسی طرف چل پڑی اور گھر کے باہر پہنچی تو اسے مارنے پیٹنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں اور وہ وہیں رک

گئی۔ پھرا چھننے والی بچی مسلسل ضد کر رہی تھی کہ وہ گڑیا واپس نہیں کرے گی اور اس کی ماں اسے مار رہی تھی کہ گڑیا واپس کر دو۔ ماں نے بچی سے کہا: ''یہ گڑیا تم واپس کر دو، میں تمھیں نئی گڑیا خرید کر دوں گی۔'' اس پر بچی بولی: ''ماں! اب تک تم نے مجھے کتنے کھلونے خرید کر دیے ہیں، جو اب خرید کر دو گی؟''

بچی کی بات سن کر ماں نے اسے اور مارنا شروع کر دیا۔ یہ تمام صورتِ حال دیکھ کر عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور سوچنے لگی کہ میرے پاس تو بہت سے کھلونے ہیں، اگر ایک گڑیا میں اس کو دے دوں گی تو میرے کھلونے کم نہیں ہو جائیں گے۔ یہ سوچ کر وہ اندر گئی۔ اسے دیکھتے ہی بچی نے گڑیا کو اپنے پیچھے چھپا لیا۔ عائشہ نے کہا: ''یہ گڑیا تم میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔ میرے پاس تو اور بھی کھلونے ہیں۔'' دونوں ماں بیٹی نے عائشہ کا شکریہ ادا کیا اور خوب دعائیں دیں۔ عائشہ کے امی ابو اس کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے۔ عائشہ کو اپنی پیاری گڑیا ایک غریب بچی کو دے کر جتنی خوشی حاصل ہوئی تھی، اتنی تو اس کے ملنے پر بھی نہیں ہوئی تھی۔ آج عائشہ کو سچی خوشی ملی تھی اور یہ لمحہ اس کی زندگی کا سب سے یادگار لمحہ تھا۔

محنت

مرسلہ: زینب جمیل احمد، حیدر آباد

محنت ہر دم کرتے جاؤ
آگے سب سے بڑھتے جاؤ
محنت میں ہے عزت بچو!
محنت میں ہے شہرت بچو!
محنت میں ہے دولت بچو!
محنت میں ہے راحت بچو!
محنت سے تم مت گھبراؤ
محنت سے تم جی نہ چراؤ
محنت ہے انسان کا زیور
محنت ہے عظمت کا محور
جس نے محنت کو اپنایا
اس نے محنت کا پھل پایا

☆☆☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال، شمارہ مارچ ۲۰۱۰ء کے بارے میں ہیں

❁ اس دفعہ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانی ''غریب ہی اچھا'' تو بہت اچھی لگی۔ مضامین رشتے، میں تمھارا پاؤں ہوں اور کہانیوں میں تاشقند کا لکڑ ہارا اور اصلی حق دار سے بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ علم دریچے، جاگو جگاؤ اور نونہال ادیب تو ہمیشہ کی طرح بہت اچھے تھے۔ جن زادے کی سزا بھی بہت اچھی لگی۔ مسکراتی لکیریں اور ہنسی گھر نے ہنسا ہنسا کر بُرا حال کر دیا۔ **سویرا اسلم، حسین آباد، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ انکل! ہم تمام گھر والے ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ **جویریہ فریاد علی، سانگھڑ۔**

❁ ہنڈ کلیا کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ آپ اس میں آسان ترکیبیں بتایا کریں اور اس میں حصہ لینے کے لیے کیا شرائط ہیں؟ **عائشہ منیر، حیدرآباد۔**

شرط کوئی نہیں ہے۔ ترکیب ایسی ہو کہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے۔

❁ ہمدرد نونہال میرا ہی نہیں، بلکہ میرے والدین کا بھی پسندیدہ رسالہ ہے۔ وہ بچپن سے اس کو پڑھتے آ رہے ہیں۔ **خرد ساجد بہاول پور۔**

❁ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ سرورق نمبر لے گیا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات نے دل لوٹ لیا۔ رشتے، میں تمھارا پاؤں ہوں، دل کی آواز، بلاعنوان انعامی کہانی، غریب ہی اچھا، جن زادے کی سزا، تاشقند کا لکڑ ہارا، اصلی حق دار اور کھیدا زبردست تحریریں تھیں۔ **عمر دراز نوناری ملتان۔**

❁ ہمدرد نونہال ہم سب گھر والوں کو بہت پسند ہے۔ **بشریٰ عبدالستار، ملتان۔**

❁ مارچ کا سرورق اچھا تھا۔ جن زادے کی سزا بہت زبردست کہانی تھی۔ اس کے بعد بلاعنوان کہانی، رشتے، میں تمھارا پاؤں ہوں، اصلی حق دار، تاشقند کا لکڑ ہارا بھی بہت زبردست تحریریں تھیں۔ **سلطان عدیل احمد، سکھر۔**

❁ ہمدرد نونہال سے ہماری اردو بہتر ہو رہی ہے۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، رشتے، نونہال خبر نامہ، ہنسی گھر، اصلی حق دار اور دل کی آواز نے دل خوش کر دیا۔ سرورق بھی مینارِ پاکستان اور پرچم کے ساتھ بہت پیارا لگا۔ **تہمینہ، دلدار علی، نوشہرو فیروز۔**

❁ مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ **محمد راشد نالانی بلوچ، جیکب آباد۔**

❁ ہمدرد نونہال کا ہر صفحہ معلوماتی اور زبردست ہوتا ہے۔ میرے لیے ہمدرد نونہال دنیا کا سب سے اچھا رسالہ ہے اور اچھی بات تو یہ ہے کہ ہمدرد نونہال پاکستان کے نونہالوں کی بہترین تربیت کر رہا ہے۔ انکل! میری دیکھا دیکھی میری سہیلیاں بھی ہمدرد نونہال پڑھنے لگی ہیں۔ اس بات کی مجھے بہت خوشی ہے۔ **عروبہ انجم مجید، کراچی۔**

❁ ہر شمارے کی طرح مارچ کا شمارہ بھی زبردست رہا۔ اصلی حق دار ایک سبق آموز کہانی تھی۔ بلاعنوان انعامی کہانی دل چسپ تھی۔ آیئے مصوری سیکھیں زیادہ خاص نہیں لگا۔ **طیبہ بتول، لانڈھی، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال ہمیشہ کی طرح بہت شان دار رہا۔ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ انکل! میں اپنی چھوٹی بہن عریشہ کی تصویر بھیجوں تو کیا آپ اسے ہمدرد نونہال کے سرورق پر شائع کر دیں گے؟ **فرح عبدالوحید شیخ، حیدرآباد۔**

تصویر اچھی ہو تو کسی کی بھی ہو، شائع ہوتی ہے۔

❁ سب کہانیاں زبردست تھیں۔ جن زادے کی سزا (سید محمود حسن) اور تاشقند کا لکڑ ہارا (معراج) پہلے نمبر پر رہیں۔ اس کے علاوہ اصلی حق دار (محمد اقبال شمس) بلاعنوان کہانی (شکیل صدیقی) اور غریب ہی اچھا (مسعود احمد برکاتی) بھی زبردست تھیں۔ حسن ذکی کاظمی کی کہانی ''دل کی آواز'' پسند نہیں آئی۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ **ردا و زینب نظام شیخ، حیدرآباد۔**

❁ مارچ کا شمارہ کافی دل چسپ تھا۔ جن زادے کی سزا اور بلاعنوان کہانی پہلے نمبر پر رہیں۔ اصلی حق دار اور تاشقند کا لکڑ ہارا بھی دل چسپ تھیں۔ غزالہ امام کا ''آیئے مصوری سیکھیں'' اتنا خاص نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اس

میں کوئی نئی چیز نہیں سکھائی جاتی۔ **کاظم حیدر نظام شیخ، حیدر آباد۔**

❁ انکل! مارچ کے شمارے میں آپ کی تحریریں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سب سے اچھی کہانی ''تاشقند کا لکڑ ہارا'' تھی۔ نونہال مصور میں ویدا ریاض فاطمی کی مصوری بہت اچھی ہوتی ہے۔ **اسد سردار، بلدیہ ٹاؤن، کراچی۔**

❁ اس مرتبہ تمام کہانیاں اچھی رہیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ **حافظ نور العلمہ حسن، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ تو بازی لے گیا۔ کہانیوں میں جن زادے کی سزا، تاشقند کا لکڑ ہارا، اصلی حق دار، بلا عنوان انعامی کہانی بہترین تھیں۔ **بلال یاسین، تربت، بلوچستان۔**

❁ اب ہمدرد نونہال میں بچے کم خط لکھتے ہیں۔ پہلے ۶۰۰ سے بھی زائد لکھتے تھے۔ اب بس ۴۰۰ کے لگ بھگ لکھتے ہیں۔ آپ بہترین کہانی پر انعام نہیں دیتے ہیں۔ شاید اسی لیے لکھنے والوں کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ **عزیر احمد جونو، قاضی احمد۔**

> کہانی چھپنا خود ایک انعام ہے۔ نونہالوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ہم انعام کے طور پر کتاب دیتے ہیں۔

❁ اس بار تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ **اُسامہ طیب، جھنگ روڈ، کبیر والا۔**

❁ ہر کہانی اپنی مثال آپ تھی۔ ''اعضا بولتے ہیں'' بہت اچھا سلسلہ ہے۔ جن زادے کی سزا، تاشقند کا لکڑ ہارا اور اصلی حق دار کافی دل چسپ کہانیاں تھیں۔ یادگار دن، دل کی آواز اور حاتم طائی کا بھی جواب نہیں۔ **زنیرہ سلیم، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ کافی دل چسپ تھا۔ ساری ہی کہانیاں سبق آموز تھیں۔ جن زادے کی سزا بہت سبق آموز تھی۔ ہمدرد نونہال میں مجھے سوالات کا سلسلہ بہت پسند ہے۔ اس سے میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ **الساء طارق، کراچی۔**

❁ شہید حکیم محمد سعید کی تحریر ''میں تمھارا پاؤں ہوں'' لاجواب تھی۔ ہر مہینے ہمدرد نونہال کا جو سرورق لگتا ہے اس میں جن بچوں کی تصویر ہوتی ہے، کیا وہ ان کی ہوتی ہے جو تصویر خانہ کے لیے اپنی تصویر بھیجتے ہیں یا آپ اپنی طرف سے تصویر لگا دیتے ہیں اور دوسری بات کیا آپ خود کسی اچھی سی کہانی کو چُن کر بلا عنوان انعامی کہانی کے نام سے شائع کر دیتے ہیں یا آپ کو کہانیاں ملتی ہی بلا عنوان انعامی کہانی کے نام سے ہیں؟ **عروج قیوم صدیقی، کراچی۔**

> سرورق کی تصویر کے لیے خوب صورتی کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔
> جی ہاں، ہم کسی کی بھی اور کسی بھی کہانی کو بلا عنوان بنا دیتے ہیں۔

❁ کہانیوں میں جن زادے کی سزا (سید محمود حسن)، اصلی حق دار (محمد اقبال شمس) اور دل کی آواز (حسن ذکی کاظمی) بہت پسند آئیں۔ نظموں میں فصلِ بہار (تنویر پھول) اور آؤ کھیلیں مل کر کھیل (ضیاء الحسن ضیا) پسند آئیں۔ **وجیہہ غلام رسول، کراچی۔**

❁ میں سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھتا ہوں اور اس کے بعد باقی کہانیوں کی باری آتی ہے۔ جب میں انعامی سلسلہ پڑھتا ہوں تو بہت مزہ آتا ہے۔ **امداد حسین ساگر، غلام مصطفٰی تبسم، حویلی رکھا۔**

❁ ہمدرد نونہال مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ **زینب صدیقی، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال ایک زبردست رسالہ ہے۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس سے ہمیں بہت معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ **یسریٰ، حمزہ، اسامہ، نازش، سحرش، نینا، ماریہ، مزمل، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ اپنی تعریف آپ تھا۔ ساری کہانیاں بہت خوب صورت تھیں۔ جاگو جگاؤ، جن زادے کی سزا، تاشقند کا لکڑ ہارا اور اصلی حق دار بہت اچھی تھیں۔ نونہالوں کو چاہیے کہ ان کہانیوں سے سبق حاصل کریں اور نصیحتوں پر عمل بھی کیا کریں۔ **ہارون الرشید، کالا گجراں، جہلم۔**

❁ کہانی کم سے کم کتنے صفحات کی ہونی چاہیے؟ قادر پوراں سے خط آپ تک پہنچنے کی آخری تاریخ کیا ہے؟ اس بار تمام رسالہ سپر ہٹ رہا۔ کہانی کے ساتھ تصاویر خود بھیجنی پڑتی ہے یا آپ خود لگا دیتے ہیں؟ میں ہر ماہ ہمدرد نونہال باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ **شہزاد عباس کھرل، قادر پوراں۔**

> کون سی تصویر؟ کہانی کی یا لکھنے والے کی؟ کہانی کی تصویر تو بنواتے ہیں، لکھنے والے کی تصویر ہم کیسے بنا سکتے ہیں؟ ہم جو تاریخ لکھتے ہیں، وہ خط وصول ہونے کی تاریخ ہوتی ہے۔

٭ اس مہینے کا خیال بہت ہی اچھا تھا۔ انکل! آپ کی تحریر ''رشتے'' احادیث کی روشنی میں بہت اچھی اور سبق آموز تھی۔ کہانیوں میں بلاعنوان اور تاشقند کا لکڑ ہارا بہت ہی اچھی اور سبق آموز تھیں۔ میں تمھارا پاؤں ہوں (حکیم محمد سعید) بہت ہی معلوماتی تحریر تھی۔ اصلی حق دار (محمد اقبال شمس) بہت ہی سنسنی خیز کہانی تھی۔ دل کی آواز اور حاتم طائی بھی بہت اچھی اور سبق آموز کہانیاں تھیں۔ نظموں میں فصلِ بہار اور آؤ کھیلیں مل کر کھیل بہت ہی اچھی نظمیں تھیں۔ بیت بازی اس دفعہ نمبر لے گئی۔ ہنسی گھر تو واقعی ہنسی گھر تھا۔ اس دفعہ سلسلہ مسکراتی لکیریں اچھا نہیں تھا۔ **محمد آفتاب عالم سرحدی، کرک۔**

٭ مارچ کا شمارہ نہایت خوب صورت سرورق کے ساتھ مارچ سے پہلے ہی ہمارے ہاتھوں میں آ گیا۔ نہایت بے چینی سے ہمدرد نونہال کھولا اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی، مگر انعام یافتہ نونہالوں میں نام نہ دیکھ کر افسوس بھی ہوا۔ مارچ کے شمارے میں سب کچھ زبردست تھا۔ انکل! کیا آپ ہمدرد نونہال کے پہلے مدیر ہیں؟ **ازکی راؤ، کراچی۔**

> میں ہمدرد نونہال سے ۵۸ سال سے وابستہ ہوں اور بچوں کی اور بچوں کے ادب کی خدمت کر رہا ہوں۔

٭ مارچ کا شمارہ پسند آیا۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی، جن زادے کی سزا اور اصلی حق دار تو سپر ہٹ تھیں۔ نظموں میں چمگادڑ اور بہار آئی اچھی لگیں۔ ہنسی گھر نے ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈال دیے۔ **حمزہ محبوب علی، سانگھڑ۔**

٭ سرورق کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ جن زادے کی سزا اور تاشقند کا لکڑ ہارا بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ **اسماء منیبہ فہد، کراچی۔**

٭ مارچ کے شمارے کی سب ہی کہانیاں اچھی تھیں، خاص کر تاشقند کا لکڑ ہارا اور جن زادے کی سزا بہت پسند آئیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات تو رسالے کی جان ہیں۔ **قرت محمد اسلم، موسیٰ لین، کراچی۔**

٭ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں، لیکن سب سے اچھی ''تاشقند کا لکڑ ہارا'' تھی، جسے پڑھ کر احساس ہوا کہ اللہ نے کوئی چیز بے کار یا فالتو نہیں بنائی۔ سلسلہ علم دریچے بہت پسند آیا۔ نظمیں اور لطیفے بھی مزے دار تھے۔ **وجیہہ زبیر، کراچی۔**

٭ مارچ کا شمارہ بہت شان دار تھا۔ کوئی اچھا سا سلسلے وار ناول شروع کریں۔ انکل! میری باجی کو ہنڈ کلیا کا سلسلہ بہت پسند ہے۔ یہ ہر ماہ شامل کیا کریں۔ **محمد وجدان خضر نوشاہی، ساہین پال شریف۔**

٭ مارچ کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ جاگو جگاؤ اور اس مہینے کا خیال ہمیشہ کی طرح شان دار رہا۔ کہانیاں اصلی حق دار، جن زادے کی سزا، تاشقند کا لکڑ ہارا پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ **اینا محمود عالم انصاری، میرپور خاص۔**

٭ بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ مضمون ''رشتے'' سے بہت معلومات حاصل کیں۔ ''تاشقند کا لکڑ ہارا'' سے میں نے یہ سیکھا کہ ہمارے جسم کے تمام اعضا ہمارے لیے کتنے اہم ہیں۔ **اسماء سلیم، بہاول نگر۔**

٭ ہنڈ کلیا، تصویر خانہ اور نونہال مصور بند کر دیں اور علم دریچے کے صفحات بڑھا دیں۔ **وقار احمد بوذدار، کراچی۔**

٭ مارچ کے شمارے کا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات بہترین تھے اور نظموں میں سب سے اچھی نظم ''بچوں کی نعت'' تھی۔ میں تمھارا پاؤں ہوں، پیاز کے عرق سے بجلی اور نونہال خبر نامہ سے معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ کہانیوں میں سب سے بہترین تاشقند کا لکڑ ہارا، رشتے، جن زادے کی سزا اور دل کی آواز رہیں۔ **محمد شعیب مصطفیٰ، سرگودھا۔**

٭ سرورق دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ اس ماہ کی تمام نظمیں بہت خوب صورت تھیں۔ کہانیوں میں تاشقند کا لکڑ ہارا (معراج) نہایت سبق آموز کہانی تھی۔ اس کے علاوہ نونہال ادیب کی کہانی بہروپیوں کی دنیا (حافظ محمد معاذ) کا موضوع بہت اچھا تھا۔ **عائشہ انصاری، حیدر آباد۔**

٭ امتحان میں اچھے نمبروں سے کام یابی کے لیے ضرور دعا کیجیے۔ کیا جو بھی تحریر بھیجی جائے تو اس کے ساتھ ایک پاسپورٹ سائز تصویر بھیجنا ضروری ہے؟ **زہرہ جمال، دستگیر، کراچی۔**

> ان شاء اللہ تم اچھے نمبروں سے کام یاب ہوگی۔ تحریر کے ساتھ تصویر ضروری نہیں۔

٭ ہمدرد نونہال میں سب سے اچھی تحریر جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہوتی ہیں۔ مارچ میں جاگو جگاؤ میں شہید حکیم محمد سعید نے جو پیغام دیا ہے،

وہ بہت ہی زبردست ہے۔ **ثناء فاطمہ راجپوت، نواب شاہ۔**

❁ اشاعت سے معذرت میں تحریر کے نام کے ساتھ اس کے مصنف کا نام ضرور لکھا کریں، تا کہ پتا چل سکے کہ تحریر کس نونہال کی ہے۔ **محمد سعد افراہیم، کورنگی، کراچی۔**

❁ سرورق پر ہنستا مسکراتا بچہ مینارِ پاکستان کے پس منظر کے ساتھ بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔ تمام مستقل سلسلے بہترین تھے اور آپ کے اس مہینے کے خیال سے ہمیں پورا اتفاق ہے۔ ہمارے دین اسلام نے بھی زندگی کے یہی اصول بتائے ہیں۔ اس مرتبہ کہانیاں کچھ خاص نہ تھیں، البتہ جن زادے کی سزا اور تاشقند کا لکڑ ہارا اچھی لگیں۔ بلاعنوان کہانی بہت بور تھی۔ جادوگروں، پریوں اور شہزادیوں والی کہانیاں آج کل کے سائنسی دور میں اچھی نہیں لگتیں، کہانیاں حقیقت سے قریب تر ہونی چاہییں۔ **عمارہ مزمل، کراچی۔**

❁ جن زادے کی سزا اور تاشقند کا لکڑ ہارا تو بازی لے گئی۔ انکل! آپ نے پھول پھول خوشبو کا نام بدل کر علم دریچے کیوں رکھ دیا؟ اور خیالوں کی مہک کا بھی آپ نے نام تبدیل کر دیا ہے، حالانکہ یہ نام شہید پاکستان کے زمانے سے تھا۔ انکل! اپریل ۱۹۹۴ء میں ایک قسط وار کہانی ''چھوٹی سی دنیا'' شائع ہوئی تھی۔ آپ اسے پلیز دوبارہ شائع کر دیجیے۔ **اُم ھانی منصور، کراچی۔**

> (۱) انسان تغیر پسند ہے۔ (۲) وہ کہانی کس کی تھی؟

❁ انکل! مارچ کا شمارہ حسبِ روایت زبردست رہا۔ کس چیز کی تعریف کی جائے اور کس کی نہیں، یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات اور علم دریچے ہمیشہ کی طرح دل کش رہے۔ نظمیں ساری اچھی تھیں، لیکن ''فصلِ بہار'' واقعی بہار کی طرح خوش نما تھی۔ کہانیاں سب ہی بہترین تھیں، لیکن بلاعنوان کہانی بہت زبردست رہی۔ اس طرح مزاج سے بھرپور کہانیاں رسالے کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔ **صفیہ وہاب صدیقی، کراچی۔**

❁ ہم ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ مارچ کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ خاص طور پر حاتم طائی، تاشقند کا لکڑ ہارا، رشتے، جن زادے کی سزا، اصلی حق دار اور میں تمھارا پاؤں ہوں نے ہمدرد نونہال کی شان میں اضافہ کیا۔ **ماریہ شفقت، فاطمہ شفقت، عائشہ شفقت، کراچی۔**

❁ مجھے ڈراؤنی اور خوف ناک کہانیاں اور ناول بہت اچھے لگتے ہیں۔ پلیز! آپ اس قسم کی بھی کوئی تحریر شامل کیا کریں۔ **رابعہ خان، راولپنڈی۔**

❁ ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر جن زادے کی سزا اور تاشقند کا لکڑ ہارا بہت زبردست تھیں۔ **انزلہ اقبال، طیبہ اقبال، کراچی۔**

❁ یہ میرا پہلا خط ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرا خط شائع کریں گے۔ آپ خط شائع کریں یا نہ کریں، میں آپ سے مایوس نہیں ہوں گا۔ میں دوئم جماعت میں پڑھتا ہوں۔ میرے امتحان ہو رہے ہیں، دعا کیجیے گا۔ انکل! آپ کی عمر کتنی ہے؟ **فیضان خالد، واہ کینٹ۔**

> شاباش، مایوسی بہت بُری چیز ہے۔ میری عمر زیادہ گزر چکی ہے، کم باقی رہ گئی ہے۔

❁ ساری تحریریں بہت اچھی تھیں۔ خاص کر ''میں تمھارا پاؤں ہوں'' کوئی ایسی تحریر لازمی شائع کیا کریں جس سے بچوں میں دین کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔ **محمد انس غفور خان، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ہر کہانی بہترین تھی۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے کہ ہمدرد نونہال میں صرف دو ہی انعامی سلسلے چل رہے ہیں، پلیز انکل! کوئی نیا انعامی سلسلہ شروع کریں۔ **قاسم بہزاد، معظم ارباب، زوکیر ارباب، اٹک۔**

❁ سب سے اچھی تحریر سیرت طیبہ کے حوالے سے ''رشتے'' (مسعود احمد برکاتی) تھی۔ کہانیوں میں تاشقند کا لکڑ ہارا (معراج)، اصلی حق دار (محمد اقبال شمس) اور جن زادے کی سزا (سید محمود حسن) قابلِ ذکر ہیں۔ **سمانہ تقوی، کراچی۔**

❁ جو نونہال اپنی تحریر شائع نہ ہونے پر مایوسی کا اظہار کرتے ہیں، میں ان سے شدید اختلاف کرتی ہوں۔ **ایمن خالد، واہ کینٹ۔**

❁ کہانیوں میں تاشقند کا لکڑ ہارا (معراج) اور اصلی حق دار (محمد اقبال شمس) پہلے نمبر پر، جن زادے کی سزا (سید محمود حسن) دوسرے نمبر پر اور بلاعنوان کہانی (شکیل صدیقی) تیسرے نمبر پر رہی۔

سوفی صد کے ساتھ ٹاپ کیا ہے انکل مسعود کی تحریر ''غریب ہی اچھا'' نے ۔ یہ بہت زبردست تحریر تھی ۔ مجھے چھوٹی چھوٹی کہانیاں بہت پسند ہیں ۔**اقصیٰ غفار، لانڈھی، کراچی۔**

❁ حسن ذکی کاظمی کی تمام کہانیاں مشکل لگتی ہیں، دوسری بار پڑھنے پر سمجھ میں آتی ہیں ۔**اقصیٰ راؤ، یمنیٰ راؤ، کراچی۔**

❁ کہانیوں میں جن زادے کی سزا (سید محمود حسن) بہت اچھی لگی ۔ شہید حکیم محمد سعید کی تحریر '' میں تمھارا پاؤں ہوں'' پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا ۔**اقراء عبدالغفار، عنزہ عبدالغفار، کراچی۔**

❁ روشن خیالات، بچوں کی نعت، رشتے، دل کی آواز، اصلی حق دار، آؤ کھیلیں مل کر کھیل (نظم) بے حد اچھی تحریریں تھیں ۔'' میں تمھارا پاؤں ہوں'' نے معلومات میں اضافہ کیا ۔**وہاج شریف، قدسیہ شریف، شبانہ شریف، کراچی۔**

❁ آپ کی اور والدین کی دعاؤں سے مجھے آرمی میں نوکری مل گئی ہے، مگر میں نے ہمدرد نونہال سے رابطہ نہیں چھوڑا ۔ ایبٹ آباد میں بھی میں نے نونہال سے رشتہ جوڑے رکھا اور اسی طرح ہمدرد نونہال سے جڑا رہوں گا ۔**محمد سلمان بروہی، ٹنڈو جام۔**

اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے ۔

❁ تمام کہانیاں بالخصوص بلاعنوان انعامی کہانی سپر ہٹ رہی ۔ نادیہ یاسمین بنوری کی کہانی ،، حاتم طائی'' اور حسن ذکی کاظمی کی '' دل کی آواز'' بہترین تحریریں تھیں ۔ اس کے علاوہ بہار کے موضوع پر نظموں نے دل چھولیا ۔**ارج رفیق، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا ۔ کہانی '' جن زادے کی سزا'' تو بازی لے گئی ۔ ہمدرد نونہال تو ہمارا خاندانی رسالہ ہے، کیوں کہ آج سے تیس سال پہلے میرے ابو امی اسے بہت شوق سے پڑھتے تھے اور آج میں اس کو پڑھتی ہوں ۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے ۔**ایمن معین، کراچی۔**

❁ کہانی تاشقند کا لکڑ ہارا پڑھی تو بہت مزہ آیا ۔ یہ ایک دل گداز کہانی تھی ۔ واقعی ہماری جان ایک اشرفی کی تھیلی کے مقابلے میں کہیں زیادہ قیمتی ہے ۔ بلاعنوان کہانی بھی مزے کی تھی ۔**راؤ محمد عارف شبیر راجپوت، سکندر آباد۔**

❁ اس مرتبہ ہمدرد نونہال میں بہت زبردست کہانیاں تھیں ۔ اس کے علاوہ نظمیں، روشن خیالات، بیت بازی، علم دریچے، مسکراتی لکیریں اور نونہال مصور بھی بہترین تھے ۔**السماء آفتاب، کراچی۔**

❁ مارچ کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا ۔**افہام الحسن، اٹک۔**

❁ اس ماہ مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریریں رشتے، غریب ہی اچھا اور پہلی بات بہت اچھی لگیں ۔'' میں تمھارا پاؤں ہوں'' کی کیا بات ہے، اس سلسلے سے بہت معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔**محمد راشد اللہ رکھا، کوٹ غلام محمد۔**

❁ اس دفعہ کی کہانیاں بہت اچھی تھیں ۔ مجھے اس طرح کی کہانیاں پسند ہیں ۔ انکل شہید حکیم محمد سعید کا سلسلہ '' اعضا بولتے ہیں'' بہت بہت معلوماتی ہے ۔**خدیجہ زاہد، اریبہ زاہد، کراچی۔**

❁ جاگو جگاؤ پڑھ کر جاگ گئے، اور پہلی بات کی تو کیا بات ہے ۔ اشتیاق احمد کی تمام تحریریں زبردست ہوتی ہیں ۔ اس بار تمام کہانیاں سپرہٹ تھیں ۔**بلقیس پلوشہ قمرانی، کراچی۔** ☆

آئندہ شمارہ خاص نمبر ہوگا

☆ اچھی اچھی کہانیاں

☆ ایک مکمل ناول

☆ خوب صورت نظمیں

☆ اسلامی، تاریخی، سائنسی معلومات

☆ تحفے میں ایک مزے دار کہانیوں کی کتاب

☆ شہید حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی کی سدا بہار تحریریں

☆ **قیمت صرف چالیس روپے**

جوابات معلومات افزا -۱۷۱

یہ سوالات مارچ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئے تھے

۱۔قبیلہ قریش نے جب خانۂ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی تو اس وقت حضور اکرمؐ کی عمر ۳۵ سال تھی۔

۲۔محمد موسیٰ بن خوارزمی کو علم الجبرا کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

۳۔ابو یوسف یعقوب ابنِ اسحاق مشہور سائنس داں اور فلسفی الکندی کا اصل نام ہے۔

۴۔ پاکستان ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ء ہجری کو آزاد ہوا تھا۔

۵۔محترمہ فاطمہ جناح کا انتقال ۹ جولائی ۱۹۶۷ء کو ہوا تھا۔

۶۔نظم ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' علامہ اقبال کے مجموعۂ کلام بانگِ درا میں شامل ہے۔

۷۔غلام اسحاق خان ۱۷-اگست ۱۹۸۸ء کو پاکستان کے صدر بنے تھے۔

۸۔آزادی کے بعد انڈونیشیا کے پہلے صدر احمد عبدالرحیم سوکارنو تھے۔

۹۔ہیروشیما اور ناگاساکی جاپان کے مشہور شہر ہیں۔

۱۰۔''اِرم'' کے نام سے شداد نے دنیا میں جنت بنائی تھی۔

۱۱۔ایک منٹ کے ساٹھویں حصے (ایک سیکنڈ) کو عربی زبان میں ثانیہ کہتے ہیں۔

۱۲۔انگریزی زبان میں TEMPLE (ٹیمپل) مندر کو کہتے ہیں۔

۱۳۔سورج کی روشنی زمین تک تقریباً ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔

۱۴۔دنیا کے مشہور مصور پکاسو کا تعلق اسپین سے تھا۔

۱۵۔اردو زبان کا مکمل محاورہ یہ ہے: ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔''

۱۶۔شوق لکھنوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

آج وہ، کل ہماری باری ہے   موت سے کس کو رُستگاری ہے

انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

◉ **کراچی:** محمد راشد خان کشمیری، ثمر لطافت، محمد وہاج شریف، سیدہ عفیفہ جاوید، سید باذل علی اظہر ◉ **حیدرآباد:** اکبر احمد شیخ ◉ **میر پور خاص:** نازش محمد اکرم ◉ **لاہور:** قراۃ العین قاضی، نایاب خالد ◉ **راولپنڈی:** محمد حیات خان نیازی ◉ **رحیم یار خان:** اسامہ طیب ◉ **بہاول پور:** نائلہ اکرم ملک ◉ **ڈیرہ اللہ یار:** طارق علی ◉ **ڈیرہ اسماعیل خان:** ذوالنورین علیزئی ◉ **ایبٹ آباد:** سہیم ارشاد۔

۱۶ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** حافظہ نور العلمہ حسن، رافعہ ایم آصف، سیدہ رمان ترمذی، اریبہ دلشاد، رومیصاء مراد، محمد عاقب احمد، اِنفصال احمد خان، انشراح ریحان عقیل، ایمن تنویر، اُمِ ھانی منصور، طاہرہ مشتاق مہر، حیاء ندیم، سندس شیراز، اسماء ارشد، محمد آصف انصاری، ثناء تنویر پھول، علی تنویر پھول، اسماء حسن، زنیرہ احمد، سعد جہانگیر زبیری، طوبیٰ جہانگیر زبیری، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ مریم محبوب، سید شہظل علی اظہر ◉ **حیدرآباد:** طیبہ عبد الوحید شیخ، محمد عماد، آصف کریم، طہٰ یاسین ◉ **مکلی:** سومل قریشی ◉ **سکھر:** اسماء طفیل ◉ **جیکب آباد:** محمد زاہد ٹالانی بلوچ، محمد راشد ٹالانی بلوچ ◉ **محراب پور:** نبیلہ عروج کمبوہ ◉ **میر پور خاص:** عاصمہ عبد الحمید راٹھور، ذی شان احمد ◉ **سرہاری:** محمد حسان خالد حسین خانزادہ، نعمان خالد حسین خانزادہ، غلام سرور بروہی ◉ **شہداد پور:** عنایت علی بروہی ◉ **سنجھورو:** رانا ذوالقرنین حیدر راجپوت، محمد امین سیف الملک، رانا مبین حیدر راجپوت، خالدہ عبد القدوس خان ◉ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری ◉ **لاہور:** امتیاز علی ناز ◉ **گوجرنوالہ:** اقتدار احمد ◉ **اسلام آباد:** ثناء شفیع، شبانہ شبیر ◉ **راولپنڈی:** محمد حسن ساجد ◉ **جہانیاں:** عیشہ نوید رنداھاوا ◉ **دریا خان (بھکر):** راحیلہ حیات نیازی ◉ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ اسلم ◉ **احمد پور شرقیہ:** حافظ محمد وسیم اللہ یار، آفاق حسن ◉ **ملتان:** محمد ذکی کشمیری، محمد سعید کشمیری ◉ **کوٹلی (آزاد کشمیر):** شہریار احمد چغتائی۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** محمد وقاص سومرو، یوسف مفتی، ردا فاطمہ صدیقی، محمد بلال صدیقی، مفازہ قیصر زمان، حافظ محمد عمیس بابر، ثمرہ حفیظ، سید محمد طلحہ، سید محمد حذیفہ، آمنہ شفق اجمل، فاطمہ شفقت، شجاع الرحمان، عنبر شمس، محمد عارف بخش راجپوت، فوزیہ ملک، سیدہ فائزہ ناز، محمد طاہر انصاری، معاذ احمد آرائیں، اسماء منیبہ فہد، ایمن تبسم، مریم رحمان، حسام توقیر، عشنا نوید، آمنہ سلیم، راشد عالم، فاطمہ علی، سیدہ زہرہ امام، رجا اکبر خواجہ، ازکی راؤ، ارسلان خالد اسحاق، حمزہ شفیع، ارسہ جاوید، ابیہا ناصر ◉ **حیدرآباد:** عائشہ منیر، عائشہ احتشام ◉ **مکلی:** تیمور جاوید، الضحیٰ فاطمہ، اُمِ کلثوم، عائشہ بی بی، اقصیٰ احمد، وجیہہ جاوید ◉ **سکھر:** دلشاد انصاری ◉ **روہڑی:** شاہ نور جمشید خان، ماہ نور جمشید خان ◉ **لاڑکانہ:** سجاد حسین جعفری، نبی بخش ابڑو، معتبر خان ابڑو ◉ **دوڑ:** ثناء فاطمہ راجپوت ◉ **جھڈو:** شہزیم راجا ◉ **لاہور:** ارمغان الرحمان، حنظلہ فیروز ◉ **وزیرآباد:** محمد وسیم عارف ◉ **لاوہ:** محمد اعظم ◉ **سرگودھا:** محمد شعیب مصطفٰے ◉ **گجرات:** لبابہ نورالدین ◉ **رحیم یار خان:** شیخ محمد مبشر سلیم ◉ **دینہ:** محمد شعیب حسن سیالوی ◉ **راولپنڈی:** ربیعہ آفتاب، فصیح شبیر ◉ **اسلام آباد:** اُسامہ نوید، ماہم ابرار ◉ **بہاول نگر:** عروج علی ◉ **زروبی:** تحسین کرن۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** حاسن یاسر انصاری، محمد کاشان اسلم، انشراح یاسر انصاری، محمد نعمان، سیدہ نبیہ زیدی، افشاں مومن، مطہرہ ناصر، عفیفہ یونس شیخ، وقار احمد بوزدار بلوچ، سید حمزہ ابراہیم شاہ، فرح ناز، اسد سردار، آشی بیگ، سویرا اسلم، عمارہ مزمل، نوال صدیقی، سیدہ نادیہ یاسمین بنوری، ربیعہ ندیم، عباس حسین ◉ **حیدرآباد:** نمرہ کنول، محمد عرفان پیرزادہ، منعم فاطمہ خانزادہ، محمد اسامہ انصاری، سید محمد ولی حیدر نقوی ◉ **ٹنڈو محمد خان:** معاذ احمد ارشاد ◉ **سکھر:** سلطان عثمان بھٹی ◉ **کماہی راؤ:** تہمینہ لاڑک ◉ **سانگھڑ:** توشیبا الطاف، اشوک کمار حیدری ◉ **لاہور:** دہاج عرفان، ضحیٰ علی، محمد عبدالرحمان ◉ **فیصل آباد:** تحریم رانا اجمل ◉ **علی پور چٹھہ:** محمد امیر صدیق جندران ◉ **سمڑیال:** ایم اے بلال راجپوت ◉ **پنڈ دادن خان:** سیدہ مبین فاطمہ عابدی

◉ **جھور:** منان عابد ◉ **اسلام آباد:** حسین ملک ◉ **راولپنڈی:** علی احمد ◉ **کوئٹہ:** آسیہ ظاہر خان ◉ **ڈڈیال:** حافظ محمد شہزاد سلطانی۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** سید زین الحسن، سائرہ خان، فراز وہاب انصاری، نمرہ خاتون، لائبہ وسیم خان، زوبیہ سعید، بینش ظریف، محمد یونس، عروبہ انعم مجید، کومل محمد اقبال، رخشندہ کنول، واجد نگینوی، بلقیس پلوشہ قمرانی، حمزہ امتیاز، ماہین امتیاز، مصباح سعید، ثاقب تنویر، حمنہ شان صدیقی، محمد عبدالرحمان صدیقی، معاذ بن اسحاق ◉ **حیدرآباد:** طلاوت ◉ **سکرنڈ:** ہارون نعیم الغنی، جویریہ جاوید ◉ **سانگھڑ:** جویریہ فرہاد علی رحمانی ◉ **جھڈو:** عاقب محمد اکرم قائم خانی ◉ **کوٹ غلام محمد:** محمد ارشد اللہ رکھا ◉ **گھوٹکی:** محمد عارف پٹھان ◉ **سکھر:** کرن عبدالستار ◉ **ٹنڈو جان محمد:** انشراح سلطانہ ◉ **چکی شیخ جی:** سعد خالد، محمد ثاقب ظفر ◉ **گوجرہ:** محمد عدنان اسلم ◉ **راولپنڈی:** حمنہ شاہد، آمنہ شمشاد ◉ **گوجر خان:** سعدیہ ثروت ◉ **مٹھا خیل:** محمد آفتاب عالم سرحدی۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** بلال فتاح، محمد اسلم، محمد عبیداللہ حسن، عابد علی، محمد صہیب علی، رمشا شاہد، الساء طارق، طیبہ بتول، مائرہ صابر حسین، عائشہ عالم، عمرانہ عبدالواحد ◉ **سکھر:** صائمہ علی شاہد راجپوت ◉ **جھڈو:** ماہم زادہ محمد الیاس ◉ **اوکاڑہ:** محمد سعد خان نیازی ◉ **راولپنڈی:** محمد اسامہ ضیاء ◉ **ملتان:** عمر دراز نوناری، راؤ محمد عارف شبیر ◉ **پشاور:** حافظہ سیدہ لائبہ گردیزی۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے نونہال

◉ **کراچی:** محمد آصف، محمد انور، عوین فہیم، طوبیٰ جاوید اقبال، فضیلہ ملک محمد آصف، شیریں خان، سید محمد بلال احمد، محمد اقبال اظہر ◉ **میر محمد جونو:** عزیر احمد جونو ◉ **فیصل آباد:** سلیم اختر بھٹہ ◉ **بہاول پور:** خرد ساجد ◉ **ملتان:** بشریٰ عبدالستار، رابعہ خان، سبیکہ خواجہ ◉ **واصو:** محمد عمر حسن ◉ **تونسہ شریف:** حبیب اللہ خان ◉ **چونا کاری:** نگین خان ◉ **ڈیرہ اسماعیل خان:** سید جمیل حسن۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

مارچ ۲۰۱۰ میں جناب شکیل صدیقی کی بلاعنوان کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات ہمیں موصول ہوئے۔ کمیٹی نے ان میں سے صرف ایک عنوان ''دوستوں کی شرارت'' کو بہترین قرار دیا ہے۔ یہ عنوان مختلف جگہوں سے مندرجہ ذیل تین نونہالوں نے ارسال کیا ہے۔ ان سب نونہالوں کو انعام کے طور پر کتاب روانہ کی جا رہی ہے:

۱۔ صفیہ وہاب انصاری، لانڈھی، کراچی

۲۔ محمد حمزہ محمود الرحمٰن خانزادہ، گلشنِ عمیر، کراچی

۳۔ اسماء طفیل، مقام روڈ، سکھر

چند اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں:

یہ عالم شوق کا۔ ڈھول کا پول۔ جنگل میں منگل۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ اور پول کھل گئی۔ ٹھگوں کی عید۔ بھولا شکاری۔ اور شکار ہو گیا۔ بھولا رہا کنوارہ۔ بھولا کی نادانی۔ بھولا آخر بھولا ہے۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ **کراچی:** انیق احمد فاروقی، سائرہ خان، بلقیس پلوشہ قمرانی، سعد جہانگیر زبیری، طوبیٰ جہانگیر زبیری، وقار احمد بوزدار، محمد سعد رسول خان مہمندی، فاطمہ علی، حمیدہ ملک، مصباح ابراہیم، افضال احمد خان، ارسلان ریحان عقیل، سیدہ نادیہ یاسمین بنوری، سیدہ علیشہ ناصر، عتیق الرحمان، یسریٰ مریم، رمشا شہاد، افشاں مومن، خدیجہ زاہد، راشد عالم، زینب صدیقی، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ عفیفہ جاوید، سید باذل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سید عفان علی جاوید، سید شہطل علی اظہر، شرج بتول، قرت محمد اسلم، عارفہ شیخ عبدالرزاق، عاشی

بیگ، مطہرہ ناصر، فیضان ایم حنیف، بینش ظریف، سدرہ یونس شیخ، سید عبدالمعز ناصر، ارسہ جاوید، علی تنویر پھول، ثنا تنویر پھول، عمارہ ندیم، شاہ رخ رحمان، سید محمد بلال احمد، افسر شہاب، انشراح یاسر انصاری، حاسن یاسر انصاری، محمد کاشان اسلم، طیبہ فاطمہ، عائشہ قیصر، محمد انس غفور خان، اُمامہ اشرف، سید عمیر رضا، عوین فہیم، اریبہ دلشاد، انعم خان، اسداللہ، محمد راشد خان کشمیری، سید زین الحسن، قاضی محمد احتشام، لائبہ وسیم خان، وجیہہ زبیر، عبیر ناز، سیدہ نبیہ زیدی، سیدہ فائزہ ناز، عبداللہ عارف علی، مریم رحمان، فرح ناز، اسماء منیبہ فہد، حمزہ امتیاز، عابد علی، عمارہ مزمل، حیاء ندیم، فضل اکبر خان بونیری، نوال صدیقی، عائشہ شفقت، محمد نعمان، مس رفعت پروین، معاذ احمد آرائیں، مروہ مراد، سہیل احمد بابوزئی، سید محمد ارتضیٰ حسین جعفری، احسن جمال، ہنیٰ جاوید، سید محمد زین العابدین، حبیبہ حفیظ، سید محمد طیب، وجاہت مسرور، اسماء ارشد، مطاہر حسین توفیق، بابر فتاح، محمد مصعب علی، فاطمہ سعید، سعدیہ مقصود، حافظہ نورالعلمہ حسن، محسن امیر صدیقی، اسد سردار، محمد عبیداللہ حسن، علیزہ ملک محمد آصف، عروبہ شمس، محمد بن اسحاق، اُمِ ھانی منصور، حسان احمد، عائشہ شاہد احمد خان، حمنہ شان صدیقی، مہوش صابر حسین، عائشہ عالم، احمد علی، عطاء المحسن، عینی زا یوسف چوہدری، ارسلان خالد اسحاق، محمد اسد سلیم، اسماء طارق، زنیرہ سلیم، نمرہ خاتون، سویرا اسلم، سدرہ نور احمد، سید شمس الحق باری، عرش عبدالواحد، زنیرہ احمد، اسماء حسن، ارج رفیق، ایمن معین الدین، اریبہ ماہم، نیناں محمد حنیف، شیریں خان، واجد نگینوی، سندس آسیہ، حافظ محمد عمیص بابر، قدسیہ شریف، اقصیٰ راؤ، سید حمزہ ابراہیم شاہ، چوہدری محمد عبیدالرحمان، محمد اسحاق، فاطمہ شہزاد، سید نبیل منور، سمانہ تقوی، طوبیٰ جاوید اقبال ☆ **حیدرآباد:** طیبہ عبدالوحید شیخ، عائشہ انصاری، رمشہ غزل، محمد اسامہ انصاری، ردا زینب نظام شیخ، محمد عماد،

آصف کریم، طٰہٰ یاسین، عائشہ منیر، صبیحہ طلعت، رخسانہ محمد صابر پیرزادہ، زرینہ خانزادہ، عائشہ احتشام، سید محمد ولی حیدر نقوی ☆ **ٹنڈو الہیار:** سمعیہ منظور احمد ☆ **ٹنڈو جام:** محمد سلمان بروہی، سید افراز علی ☆ **مکلی:** سونل قریشی، وجیہہ جاوید، تیمور جاوید، الضحیٰ فاطمہ، اُمِ کلثوم، عائشہ بی بی، اقصیٰ احمد ☆ **سکھر:** دلشاد انصاری، سلطان، حوریہ جبیں، معاذ علی حامد انصاری، عمیر عبدالستار، اعجاز خان میرانی ☆ **روہڑی:** ماہ نور جمشید خان، شاہ نور جمشید خان ☆ **لاڑکانہ:** سجاد جعفری، نبی بخش ابڑو، معتبر خان ابڑو ☆ **محراب پور:** نبیلہ عروج کمبوہ ☆ **دوڑ:** ثناء فاطمہ راجپوت ☆ **سکرنڈ:** ہارون نعیم الغنی، سمعیہ جاوید ☆ **میر محمد جونو:** عزیر احمد جونو ☆ **کھائی راہو:** تہمینہ لاڑک ☆ **میر پور خاص:** نازش محمد اکرم، عدیل احمد، عاصمہ عبدالحمید راٹھور ☆ **کوٹ غلام محمد:** کنزہ حافظ محمد اقبال، ربیعہ ناز ذوالفقار احمد قائم خانی، محمد ارشد اللہ رکھا ☆ **جھڈو:** احسان اللہ، محمد اکرم قائم خانی، عبدالسمیع قائم خانی، عبدالوسیع قائم خانی، رابیل سلیم، محمد اشفاق قائم خانی، شہزیم راجا، محسن محمد علی کمبوہ، مزمل ☆ **سنجھورو:** رانا مرتضیٰ حیدر راجپوت، رانا ذوالقرنین حیدر راجپوت، رانا مبین حیدر راجپوت، رانا ذوالفقار حیدر راجپوت ☆ **ٹنڈو آدم:** نوشین گل ☆ **سانگھڑ:** توشیبا الطاف، شنکر لال حیدری، جویریہ فرہاد علی رحمانی، حمزہ محبوب علی، میمونہ ساجد، محمد عاقب منصوری ☆ **شہداد پور:** عنایت علی بروہی ☆ **سرہاری:** نایاب خالد حسین خانزادہ، محمد منور بروہی ☆ **لاہور:** سلمان عرفان، ضحیٰ علی، امتیاز علی ناز، ارمغان الرحمان، محمد عبدالرحمان، قراۃ العین قاضی، سید حارث حسن زیدی ☆ **فیصل آباد:** تحریم رانا اجمل ☆ **جڑانوالہ:** محمد افضل ☆ **سیالکوٹ:** حفصہ بتول ☆ **سمبڑیال:** ایم اے بلال راجپوت ☆ **گوجرانوالہ:** اقتدار احمد ☆ **علی پور چٹھہ:** محمد امیر صدیق جندران ☆ **اوکاڑہ:** محمد سعد خان نیازی ☆ **لاوہ:** محمد

اعظم، اشفاق حسین ڈھکو☆ **چکی شیخ جی**: حماد ذوالقرنین☆ **کالا گجراں**: ہارون الرشید☆ **دینہ**: محمد شعیب حسن سیالوی☆ **اسلام آباد**: عبداللہ نوید، شبانہ بشیر، ثناء شفیع، ماہم ابرار، زینب بتول، تابندہ نعیم☆ **واہ**: ایمن خالد، فیضان خالد، لاعبہ عمران☆ **گوجر خان**: حلیمہ بی بی☆ **راولپنڈی**: فصیح شبیر، رابعہ خان، علی احمد، سبیکہ صفدر، ہادیہ نعیم، آمنہ شمشاد، محمد سعد حسن، محمد حسن ساجد، نازیہ ناز نیازی☆ **ملتان**: شہزاد عباس کھرل، عمر دراز نوناری، محمد رضا علی سرگانہ، رانا رائد عبدالستار، راؤ محمد عارف شبیر، حافظ جہانزیب احمد خان☆ **جھنگ**: نعمان آدم قریشی☆ **واصو**: محمد عمر حسن☆ **دریا خان**: راحیلہ حیات نیازی☆ **اٹک**: کرن شاہین☆ **کامل پور موسیٰ**: فیض الرحمان فیض، محمد معاویہ☆ **کامرہ**: قاسم بہزاد☆ **جھور**: رحمت ریاض☆ **میانوالی**: محمد امیر حمزہ☆ **ساہیوال**: آمنہ اسلم☆ **سرگودھا**: محمد شعیب مصطفیٰ☆ **تونسہ شریف**: حبیب اللہ خان☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ**: سعدیہ اسلم☆ **گوجرہ**: محمد عدنان اسلم☆ **بہاول پور**: خرد ساجد، نائلہ اکرم ملک☆ **احمد پور شرقیہ**: آفاق حسن☆ **بہاول نگر**: عروج علی، اسماء سلیم☆ **ڈونگہ بونگہ**: اقراء فاروق☆ **گجرات**: لبابہ نورالدین☆ **رحیم یار خان**: اریبہ کامران، اسامہ طیب، تحسین فاطمہ، شیخ محمد مبشر سلیم☆ **جہانیاں**: عیشہ نوید رندھاوا☆ **ڈڈیال**: حافظ محمد شہزاد سلطانی☆ **کوٹلی**: محمد جواد چغتائی، مرتضیٰ محی الدین☆ **کوئٹہ**: آسیہ ظاہر، سمیر علی☆ **ڈیرہ مراد جمالی**: عامر شہزاد ڈومکی بلوچ☆ **ڈیرہ اللہ یار**: طارق علی☆ **تربت**: بلال محمد یاسین، جمال اعزاز بلوچ☆ **ایبٹ آباد**: کائنات خان، در شہوار، سہیم ارشاد☆ **تربیلا ڈیم**: بشریٰ مصطفیٰ☆ **زروبی**: تحسین کرن☆ **میٹھا خیل**! محمد آفتاب عالم سرحدی☆ **ڈیرہ اسماعیل خان**: ذوالنورین علیزئی☆ **جہانگیرہ**: لیلیٰ جلیل الرحمان☆ **پشاور**: محمد عمیر، حافظہ سیدہ لائبہ گردیزی۔

☆

نونہال لغت

بھرم	بَھ رَ م	ساکھ۔شہرت۔عزت۔آبرو۔بھروسا۔اعتبار۔
حلم	حِ لْ م	بردباری۔تحمل۔برداشت۔نرمی۔نرم دلی۔
حرم	حَ رَ م	خانہ کعبہ کی چاردیواری۔اندرونِ خانہ۔زنان خانہ۔زنانہ محلات۔
دیر	دَ ے ر	غیر مسلموں کا عبادت خانہ۔بت خانہ۔بت کدہ۔
ارادت	اِ رَ ا دَ ت	اعتقاد۔عقیدہ۔عقیدت۔محبت۔یقین۔آرزو۔تمنا۔
مداخلت	مُ دَ ا خَ لَ ت	دخل۔دست اندازی۔مزاحمت۔تعرض۔قبضہ۔قابو۔
برادہ	بُ رَ ا دَ ہ	چُورا۔لکڑی یا دھات کا چُورا جو آری سے نکلتا ہے۔سفوف۔
مثبت	مُ ثْ بَ ت	تعمیری۔ثابت کیا گیا۔قائم کیا گیا۔ساکن کیا گیا۔جو منفی نہ ہو۔
منفی	مَ نْ فِی	نفی کیا گیا۔منہا کیا گیا۔خارج کیا گیا۔وہ جس سے کسی کام کا نہ ہونا پایا جائے۔تخریبی۔
وثوق	وُ ثُ وْ ق	مضبوطی۔پختگی۔بھروسا۔اعتماد۔اعتبار۔
کرامت	کَ رَ ا مَ ت	نوازش۔بزرگی۔وہ حیرت انگیز بات جو ولی سے صادر ہو۔خوبی۔عمدگی۔
موقوف	مَ وْ قُو ف	ٹھیرایا گیا۔کھڑا کیا گیا۔برخاست کیا گیا۔منسوخ کیا گیا۔روکا گیا۔خدا کے نام پر چھوڑا گیا۔وقف کیا گیا۔عام کر دیا گیا۔
تلقین	تَ لْ قِی ن	سمجھانا۔نصیحت۔ہدایت۔مذہب کی تعلیم۔
مستک	مَ سْ تَ ک	ہاتھی کا ماتھا۔پیشانی۔
فانوس	فَا نُو س	ایک قسم کا شمع دان۔بڑا قندیل۔سمندر میں چٹانوں پر بنا ہوا وہ مینار جس سے جہازوں کو روشنی نظر آتی ہے اور جس سے وہ رہبری حاصل کرتے ہیں۔

داغ تو اچھے ہوتے ہیں
Surf excel
removes stains 10/10
بچے کھیلتے اچھے لگتے ہیں۔ کھیل رُک جائے تو آپ داغ نہیں اِن کی خوشی دیکھتے ہیں۔
LOWE & RAUF

The Ultimate
HABANERO CHILLI Experience
It's Party for your taste buds!
A Dip Sauce made from a secret blend of finest Habanero Chillies, Rich Ripe Tomatoes, Garlic & Spices.
Shangrila Garlic Chilli Sauce a must for your meals.
Shangrila
Garlic Chilli Sauce
Shangrila
Takes the Taste...
...to the Limits
Pakistan's First Company Awarded HALAAL Certification By South African National Halaal Authority
BUREAU VERITAS
ISO 9001-2000 Certified
Member
The Association for DRESSINGS & SAUCES, USA
www.shangrila.com.pk